قصہ ایک داماد کا

علیم الحق حقی

''مزاح لکھنا آسان نہیں اور اچھا مزاح لکھنا تو اور بھی دشوار ہے۔ دشوار گزار راہوں پر سفر کرنے والے والے کم ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حقیقی مزاحیہ کہانیاں کبھی کبھی پڑھنے کو ملتی ہیں۔ آپ کی تفریح طبع کے لیے شائع کی جانے والی یہ کہانی ایک ایسے بے مثال کردار کی ہے جو کسی کو بطور داماد مطلوب تھا۔ آخر کار وہ تو اپنے طالبوں کو میسر آ گیا مگر خود ڈرائیور کا محتاج و مجبور بن کر رہ گیا۔

کہانیوں کا مرکزی کردار عموماً مصنف کے تجربات، نظریات اور خواہشات کے سانچے میں ڈھلا پیکر ہوا کرتا ہے۔ چونکہ مصنف کبھی موٹر سائیکل چلانے کے تجربے سے نہیں گزرے اس لیے کہانی کا مرکزی کردار بھی آپ کو بائیک کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہولتا، لرزتا اور اُن آزمائشوں میں مبتلا نظر آئے گا جن میں سے کچھ خود مصنف پر اپنے ایک قریبی دوست کی ''سرکردگی'' میں نازل ہوئیں...... اور وہ ان سے بہ خیریت گزر گئے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ یہ کہانی پڑھ رہے ہیں۔

جملہ حقوق بحق محفوظ

نام کتاب	....	قصہ ایک داماد کا
مصنف	....	علیم الحق حقی
ناشر	....	گل فراز احمد علم و عرفان پبلشرز، اُردو بازار لاہور
سرورق	....	حنا شیخ
پروف ریڈنگ	....	رانا عبدالمجید
سن اشاعت	....	فروری 2007ء
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
قیمت	....	-/120 روپے

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ

40-اردو بازار، لاہور۔فون 7223584

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون 042-7352332-7232336

نواب جلیل القدر امانت نے فرزیں کی کھوپڑی کو اپنے انگوٹھے اور انگشتِ شہادت کی آہنی گرفت میں جکڑا اور ڈنڈا ڈولی کے انداز میں لے جا کر درانی صاحب کے بادشاہ سے ملا کر رکھ دیا "یہ ہوئی حضرت گلے مل کرشہ" انہوں نے بے حد خوشی سے کہا "اب بتایئے، کوئی گھر ہے آپ کے شاہ کا؟"

درانی صاحب نے بساط کا جائزہ لیا اور سر ہلا کر بڑی مظلومیت سے بولے "آپ خوب مشقِ ستم کرتے ہیں مجھ پر قبلہ نواب صاحب۔ مجھے اپنے شاہ کے لیے گھر تو کوئی نظر نہیں آتا، واللہ یہ تو ظلم ہے۔"

نواب صاحب فخریہ انداز میں ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے رہے۔ بازی تو وہ جیت ہی چکے تھے۔ "یار درانی، مجھے فوری طور پر ایک داماد کی ضرورت ہے" انہوں نے اچانک کہا۔ یہ بھی ان کا خاص انداز تھا۔ خواص کے انداز میں گفتگو کرتے کرتے اچانک عوامی ہو جاتے اور سڑک چھاپ گفتگو کرتے کرتے اچانک نوابی جوش مارنے لگتی۔

"مل جائے گا..... مل جائے گا" درانی صاحب نے بساط کو گھورتے ہوئے بے دھیانی سے کہا "کب تک چاہیے؟"

"ارے میاں، آج ہی مل جائے۔ ہم نے کہا نا، ہمیں فوری ضرورت ہے ایک داماد کی۔"

"پسندیدہ صفات اور مطلوبہ خصوصیات سے آگاہ فرمایئے" درانی صاحب اب بھی بساط کو گھورے جا رہے تھے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اسپ نما ہو یا فیل نما؟ رخ کی ساخت کا ہو یا فرزیں کی؟ پیادہ قامت ہو یا شاہ کی طرح سست و مجہول؟"

"کہاں کی ہانک رہے ہو میاں؟" نواب صاحب دہاڑے۔ "ہوش میں تو ہو۔"

درانی صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا "حضرت..... کوائف معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں باورچی کے۔"

"باورچی! میاں میں داماد کی بات کر رہا ہوں" نواب صاحب نے ناگواری سے کہا۔

"لاحول ولا..... میں سمجھا باورچی" درانی صاحب نے ندامت سے کہا "مگر آپ اتنے خفا کیوں ہو رہے ہیں؟"

"خفا بھی نہ ہوں۔ داماد کے جو کوائف و خواص آپ دریافت فرما رہے ہیں، وہ اس قدر توہین آمیز......"

"آپ کو اس موقع پر یہ بات کرنی ہی نہیں چاہیے تھی" درانی صاحب نے برہمی سے کہا "ہمارے شاہ سے یوں اپنے مہروں کو گلے ملا کر شہ دیتے ہیں کہ ہمارے کچھ حواس مختل اور کچھ معطل ہو جاتے ہیں۔ ستم بالائے ستم ایسے میں فوری طور پر داماد کی فراہمی کا مطالبہ؟"

نواب صاحب کی گردن اکڑ گئی "ہاں، یہ تو ہماری زیادتی ہے۔ اس ظالم شہ کے بعد یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ خیر اب تو بازی اٹھ ہی گئی آپ کی۔ اب سکون سے بات کریں گے۔"

"بازی اٹھ گئی؟" درانی صاحب نے حیرت سے کہا۔

"تو اور کیا..... کوئی گھر ہے بادشاہ کے لیے؟"

"ایک ہی گھر ہے" درانی صاحب نے ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں تو کوئی گھر نظر نہیں آتا" نواب صاحب نے تشویش سے بساط کا جائزہ لیا۔ "بادشاہ کے دائیں آپ کا رخ ہے، بائیں فرزیں۔ سامنے پیدل ہے۔ پیدل کے جانب آپ کا پیدل ہے اور دوسری جانب ہمارا وزیر۔ اسے کہتے ہیں درگٹھی مات۔"

"کہتے ہوں گے" درانی صاحب نے بے پروائی سے کہا "ایک گھر تو ہے ابھی۔"

"وہ کون سا ہے؟" نواب صاحب کی تشویش بڑھ گئی۔

"یہ جہاں آپ کا فرزیں ہے۔ دیا سالے کے ہاتھ" یہ کہہ کر درانی صاحب نے نواب صاحب کا فرزیں مار کر اپنے پاس رکھ لیا۔

"یہ کیا حضت۔ ہمارا فرزیں کیسے مار لیا آپ نے؟" نواب صاحب نے احتجاج کیا۔

"بے زور گلے مل کے شہ دے گا تو ایسے ہی مارا جائے گا۔"

''ارے لاحول ولا...... یہ نہیں چلے گی بھئی۔ میں پہلے رخ کو اس کے پیچھے لا کر زور کرنا چاہتا تھا۔ مگر خیال ہی نہیں رہا۔ یہ چال تو واپس ہوگی بھئی۔''

''دو منٹ تک چال واپس ہو سکتی ہے۔ مگر آپ کو چال چلے ڈھائی منٹ ہو چکے ہیں، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''ڈھائی منٹ ہو گئے؟''

''یہ دیکھ لیں'' درانی صاحب نے انہیں اسٹاپ واچ دکھائی۔ ''آپ سے کھیلتے ہوئے تو اسٹاپ واچ رکھنی پڑتی ہے۔''

''بس ایک چال سے مار کھا گئے ہم'' نواب صاحب نے اپنے بادشاہ کو سرنگوں کرتے ہوئے کہا ''چلیں، اب کام کی بات کر لیں۔ دراصل ہم اسی الجھن پر سوچ رہے تھے۔ بازی کی طرف مطلق دھیان نہ تھا ہمارا۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔ اب فرمائیں، ایمرجنسی میں داماد کی ضرورت پڑ گئی ہے آپ کو؟'' درانی صاحب بولے۔

''جی ہاں۔''

''تو جلدی میں تو قسطوں پر ہی مل سکتا ہے۔''

''یہ کیا فرما رہے ہیں آپ...... خاندانی معاملات میں ہم مذاق پسند نہیں کرتے'' نواب صاحب برہم ہو گئے۔

''اچھا، یہ تو بتائیں کہ اتنی جلدی کیا ہے؟''

''آپ تو جانتے ہیں کہ رب کریم نے بڑی آہ و زاری اور عاجزانہ مطالبوں کے نتیجے میں ہمیں سات فرزندوں کے بعد بیٹی مرحمت فرمائی'' نواب صاحب نے گہری سانس لے کر کہا ''در شہوار صرف ہماری ہی نہیں، بیگم حضور کی بلکہ ساتوں بیٹوں کی جان ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ جب تک بیٹی کی رخصتی نہیں ہو گی، ہم بیٹوں کی شادی نہیں کریں گے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ نورِ نظر 22 سال کی ہیں جبکہ سب سے بڑے فرزند شق القمر کفالت 35 کے ہو چکے ہیں۔ تھوڑا سا وقت اور گزر گیا تو انہیں پہلی شادی پر دوسری بلکہ تیسری شادی کا لطف آئے گا۔ ان کی ہم نے منگنی کر دی تھی۔ ان کی منگیتر بھی اب خیر سے تیس کے سن کو پہنچ رہی ہیں۔ لڑکی کے ماں باپ کو اب تشویش ہو رہی ہے۔ لہٰذا در شہوار کی فوری شادی کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ میری بات سمجھ رہے ہیں نا آپ؟''

''جی ہاں سمجھ رہا ہوں'' درانی صاحب نے کہا ''لیکن میں آج تک یہ نہیں سمجھ پایا کہ آپ نے بیٹے کا نام شق القمر کیوں رکھ دیا؟''

''قرآن شریف میں سے نکالا تھا'' نواب صاحب نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا ''اس کی خوبی یہ ہے کہ عرفیت اس سے بڑی رواں اور بے ضرر نکلی ہے اور کسی مقدس اور متبرک لفظ میں بگاڑ بھی نہیں پیدا ہوا۔''

''میں مطلب نہیں سمجھا آپ کا؟''

''ہم پیار میں برخوردار کو شقو کہتے ہیں۔ قمرو بھی کہہ سکتے تھے۔''

''واہ نواب صاحب، سبحان اللہ۔ کیا حکمت بیان فرمائی ہے'' درانی صاحب پھڑک اُٹھے۔

''اے آپ آدمی ہیں یا......'' نواب صاحب اچانک بگڑ گئے۔ ''بات کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ ہم یہ فرما رہے تھے کہ ہمیں داماد کی ضرورت ہے۔''

''جی ہاں، جی ہاں'' درانی صاحب نے بڑی شدومد سے سر ہلایا۔ ''اور میں مطلوبہ داماد کے کوائف دریافت کر رہا تھا۔ وہ بتائیں تو میں کچھ سوچوں۔''

''دیکھو میاں درانی، لڑکا خاندانی ہو۔ طبیعت میں سادگی ہو مگر پرکاری کے ساتھ۔ مزاج میں انکسار ہو لیکن جلال کے ساتھ۔ شخصیت بھاری بھرکم نہ ہو لیکن تاثر جاہ و حشم کا چھوڑے۔ جسم کا وزن زیادہ نہ ہو مگر روح اور ذہن توانا ہو۔ خوش گفتار ہو ایسا کہ گالی دے تو آدمی گالیوں کی فرمائش کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اکیلا ہو مگر اپنی ذات میں انجمن ہو۔ زبان و بیان پر عبور ہو، بات میں نکتہ آفرینی ہو۔ خوددار اور بے نیاز ہو۔ جہیز کا لالچ نہ کرے۔ شہ

سوار ہو تو سونے پر سہاگا رے، یہ آپ کو کیا ہوا؟'' نواب صاحب نے چونک کر درانی صاحب کو دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ سے سر تھامے بیٹھے تھے۔

''ایسا داماد آپ ایمر جنسی میں تلاش کر رہے ہیں...... فوری ضرورت کے تحت؟'' درانی صاحب نے بمشکل کہا۔ ''نواب صاحب، یہ صفات تو چار دامادوں ملا کر مل جائیں تو غنیمت ہے۔ اس کے لیے بھی برسوں نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر تلاش کرنا پڑے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں مل جائے گا'' نواب صاحب نے یقین سے کہا ''بس آپ تلاش جاری رکھیے گا۔ ایسا قحط الرجال بھی نہیں پڑا ہے۔''

''آپ نے مجھے بہت مایوس کیا ہے نواب صاحب!'' درانی صاحب نے دردناک لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا حضرت۔ خیریت تو ہے؟''

''میں تو دوستی پکی کرنے کے موڈ میں تھا۔ برخوردار جمال درانی......''

نواب صاحب نے انہیں بات پوری نہیں کرنے دی ''دیکھیے، برخوردار جمال میں جمال بس آپ کے رکھے ہوئے نام کا ہے'' انہوں نے کہا'' اور جو سڑک چھاپ زبان وہ بولتے ہیں، اسے سن کر ہمارے دماغ میں سڑک کوٹنے والے انجن چلنے لگتے ہیں۔ گالی وہ ایسے دیتے ہیں کہ تیغ بے نیام کی طرح سماعت کو کاٹ کر رکھ دے۔ پھر وہ قوی الجثہ ہیں مگر اوپر سے، اپنے سر میں کمزور ہیں۔''

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن آپ کو تو ایمرجنسی......''

''ایمرجنسی کا یہ مطلب بھی نہیں، ہو جائے گا کچھ...... اچھا، اب ہم چلتے ہیں۔''

''چلیں...... میں آپ کو گاڑی تک چھوڑ دوں۔''

✿......✿......✿

چوک میں لڑکوں کی ٹولی کھڑی تھی۔ ان میں جمال بھی تھا اور شہریار بھی۔ شہریار اپنی آج کی ریس کا آنکھوں دیکھا حال سنا رہا تھا۔ ''میں جب وننگ پوسٹ پار کرنے کے بعد آگے جا کر اترا تو ذوالقرنین صاحب نے گھوڑے کو گلے سے لگایا۔ بولے...... نہ دوڑ نے بر یہ کارکردگی ہے تمہاری پھر انہوں نے مجھے پیٹھ پر تھپکی دی۔ کہا...... شاباش شہریار، تم ہمارے گھوڑے کا بہت خیال رکھتے ہو۔ ذرا نہیں تھکنے دیتے اسے۔ تمہیں اس گھوڑے سے ہم سے زیادہ محبت ہے۔ مگر اب اس کے چارے کا انتظام بھی تمہیں ہی کرنا ہوگا۔ میں نے کہا...... میں حاضر ہوں جناب۔''

''مبارک ہو یار۔ وننگ پوسٹ پار کرنے کا مطلب ہے کہ تو نے ریس جیت لی؟'' ارشاد نے چہک کر کہا۔

''اے ناسمجھ نوجوان، تجھے نہیں معلوم، وننگ پوسٹ تو تمام گھوڑے پار کرتے ہیں خواہ وہ آخری نمبر پر آئے ہوں'' شہریار عالمانہ انداز میں بولا۔

''تو...... تو کیا......؟''

''میرا گھوڑا چھٹے نمبر آیا تھا۔''

''ابے تو یہ قصہ سنا کر ہم سے پنگا لے رہا تھا'' جمال آستینیں چڑھانے لگا۔

یہ وقت تھا جب نواب صاحب اور درانی صاحب ہاتھ تھامے گزر رہے تھے۔ لفظ پنگا سن کر نواب صاحب نے درانی صاحب کے ہاتھ پر معنی خیز باؤ ڈالا۔ درانی صاحب کسمسا کر رہ گئے۔ اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک گئے۔ ان کے قدم رک گئے۔

''جمال، تم کچھ تمیز سیکھ لو'' شہریار نے کہا ''غضب خدا کا، چار حرفی لفظ اور اس میں دو حرف کریہہ الصوت...... پ اور گ......''

''تو کیا کہوں؟'' جمال نے بھنا کر کہا۔

''یا تو اس چار حرفی لفظ پر چار حرف بھیج دو......''

''سبحان اللہ'' درانی صاحب کا ہاتھ تھامے ہوئے نواب صاحب زیر لب گنگنائے ''کیا زبان ہے، کیا شستگی ہے......''

''یا اگر اس کا کوئی متبادل لفظ موجود نہیں تو اسے مہذب ہی کر لو۔''

''وہ کیسے؟'' جمال نے پوچھا۔

تجسس سے نواب صاحب کی سانسیں رکی جا رہی تھیں۔

''بنگا کہا کرو۔''

''کیوں بھئی؟''

''ارے ہمارے پیارے عرب بھائی پاکستان کو باکستان کہتے ہیں کہ نہیں؟''

''چھوڑو اسے، یہ تو سالا چریا ہو گیا ہے'' سلیم جھلا کر بولا۔

''چ بھی کریہہ الصوت ہے'' شہریار نے کہا ''لہٰذا جریا کہو۔ چ کو ج سے تبدیل کرو گے تو گالی بھی مہذب ہو جائے گی، کر کے دیکھ لو۔''

اس پر سب لڑکے ہنسنے لگے۔

نواب صاحب کھلے جا رہے تھے۔ چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔

''اور گالی کی بھی انفرادیت ہونی چاہیے'' شہریار کہہ رہا تھا ''یہ نہیں کہ گالی دی اور سر پھٹول شروع۔ یا دوسرے پر اثر ہی نہ ہو۔ گالی ایسی ہو کہ جسے دی جائے وہ ہنستا ہوا چلا جائے اور آدھے گھنٹے کے بعد آئے تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً میں تم سے کہوں کہ تمہاری نسل میں کہیں نہ کہیں کوئی ایک گینڈا ضرور گزرا ہے'' شہریار نے کہا ''یا یہ کہ تمہاری خرابی نسل کا ذمے دار کہیں نہ کہیں کوئی بدجانور ہے۔''

وہ سب پھر ہنسنے لگے۔

نواب صاحب ایک قدم آگے بڑھے، پھر رک گئے۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا..... '' شہریار نے کہا'' کہ آج میں نے بادِ سبک دست کو ایسا دورایا کہ گل جیں کے چھکے چھوٹ گئے۔ گل نوبہار بھی حیران رہ گیا۔''

''یہی دو گھوڑے تھے نا، جن سے تم آگے نکلے'' جمال نے کہا'' بچو..... اب ذوالقرنین صاحب تمہاری چھٹی ہی کرنے والے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ میرے پاس حسنِ خرام کی آفر موجود ہے'' شہریار نے بے پروائی سے کہا۔

نواب صاحب نے اچانک اتنا تیز چلنا شروع کیا کہ درانی صاحب گھسٹنے لگے۔ ہوش آیا تو وہ بس میں بیٹھے تھے اور بس دوڑ رہی تھی۔

✿.....✿.....✿

''یہ کیا ظلم کیا آپ نے نواب صاحب؟'' درانی صاحب نے کراہتے ہوئے کہا'' اب آپ مجھے چھوڑنے جائیں گے پھر میں آپ کو چھوڑنے آؤں گا اور یونہی صبح ہو جائے گی۔''

''نہیں ہوگی...... میں آپ کو گاڑی میں چھوڑ کر آجاؤں گا۔''

''مگر یہ اچانک ہوا کیا؟''

''گوہر مراد مل گیا حضت'' نواب صاحب نے ہیجان کے عالم میں دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا'' مجھے اس لڑکے کے بارے میں بتایئے۔''

''کس لڑکے کے بارے میں؟''

''وہی جو بادِ سبک دست کو بہت تیز دوڑانے پر قادر ہے۔''

''اوہ..... اس کا نام شہریار ہے۔''

''سبحان اللہ'' نواب صاحب سر دھننے لگے۔ در شہوار شہریار۔''

''جی ہاں۔ الگ الگ مصرعے ہیں مگر لگتا ہے، غزل کا مطلع ہونے والا ہے'' درانی صاحب نے ٹکڑا لگایا۔

''ہم قافیہ بھی ہیں۔''

''یہ لڑکا تو مجھے لگتا ہے کہ خداوند قدوس نے آپ کی دامادی ہی کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔''

''ہمیں بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ آپ ذرا تفصیل تو بتائیں برخوردار کی۔''

''میرے بہت عزیز دوست کا بیٹا تھا۔''

''تھا کیا مطلب؟ اب نہیں ہے؟'' نواب صاحب کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''جی ہاں۔ میرے دوست فوت ہو چکے ہیں۔''

''سبحان اللہ'' نواب صاحب نے بے ساختہ کہا مگر پھر فکر مند..... ہو گئے'' صرف یتیم ہے؟''

''یسیر بھی ہے۔ دو سال پہلے ماں بھی فوت ہو گئی ہے بے چارے کی۔''

''ماشاء اللہ، سبحان اللہ'' نواب صاحب کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی مگر چمک میں ذرا کمی ہو گئی۔'' بہن بھائی بڑے ہیں..... یا چھوٹے؟''

''ہیں ہی نہیں۔ اکلوتا تھا۔ اکلوتا رہ گیا'' درانی صاحب نے تاسف سے کہا۔

''ماشاء اللہ۔ سبحان اللہ، کیا کہنے'' نواب صاحب جوش میں کھڑے ہو گئے۔ شکر ہے کہ سر کے بل نہیں کھڑے ہوئے تھے'' یہ لڑکا تو ہمارا داماد بن کر رہے گا۔ ذرا سوچئے تو، اکیلا ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اپنی ذات میں انجمن ہے۔ سادگی اور پرکاری بھی مل گئی۔ انکسار کے ساتھ جلال بھی دیکھ لیا۔ زبان و بیان پر عبور اور باتوں میں نکتہ آفرینی بھی نظر آ گئی۔ خوش گفتاری اور گالی کا حسن بھی ہم نے ملاحظہ فرما لیا۔ دراز قامت ہے مگر وزن زیادہ

نہیں۔ روح اور ذہن توانا ہے......''

''وزن زیادہ ہوتا تو گھڑ سواری کیسے کرتا؟'' درانی صاحب بولے۔

''یعنی......یعنی کہ......یعنی کہ شہ سوار بھی ہے'' نواب صاحب پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی، وہ ہکلانے لگے۔

''جی ہاں۔ یہی پیشہ ہے اس کا۔ انگریزی میں جوکی کہتے ہیں اسے۔''

''سبحان اللہ، سبحان اللہ...... چھپر پھاڑ کے دیا ہے داماد اللہ نے ہمیں۔''

''جی نہیں۔ نارمل طریقے سے پیدا ہوا تھا۔''

مگر نواب صاحب کچھ سننے کی پوزیشن میں نہیں تھے ''کمی کیا رہ گئی ہے؟'' انہوں نے خود سے پوچھا۔

''کوئی نہیں'' درانی صاحب نے جواب دیا'' خوددار اتنا ہے کہ ماں کی موت کے بعد سے کھانا ہمارے ہاں کھاتا ہے، ناشتا ہمارے ہاں کرتا ہے۔ مگر مجھے اس کی تنخواہ کا نصف قبول کرنا پڑتا ہے۔ شرم آتی ہے مجھے مگر کیا کروں، لینے سے انکار کردوں تو وہ کھانا کھانا چھوڑ دے گا۔''

''سبحان اللہ۔ بس درانی صاحب، آپ یہ رشتہ طے کرادیں۔''

''جہیز کی بات بھی میں پوچھ لوں گا۔''

''کہیں کسی سے محبت نہ کرتا ہو۔'' نواب صاحب کو اندیشے ستانے لگے۔ وہ اس لڑکے کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔

''یہ بھی پتا چل جائے گا۔ میں کل ہی اس سے بات کرلوں گا۔''

''یہ ممکن ہے کہ میں تمہاری اور اس کی گفتگو سن سکوں؟'' نواب صاحب نے مضطرب ہو کر کہا۔

''کیوں نہیں'' درانی صاحب بلا جھجک بولے'' آپ اندر والے کمرے میں بیٹھیئے گا۔ میں اس سے بیٹھک میں بات کروں گا۔''

''جیتے رہو درانی میاں، خوش رہو۔ چلو، میں تمہیں گھر پہنچادوں۔''

''کل ساڑھے آٹھ بجے تک آجایئے گا۔ وہ نو بجے کھانا کھانے آتا ہے۔''

''سر کے بل آئیں گے۔''

شہر یار کھانا کھا کر نمٹا اور پانی پی رہا تھا کہ درانی صاحب آگئے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی احتراماً کھڑا ہوگیا'' السلام علیکم۔ چچا جان۔''

''وعلیکم السلام۔ جیتے رہو، بیٹھو۔''

''بس میں جانے ہی والا تھا۔ چچا جان!''

''درانی صاحب نے ایک نظر اندر والے کمرے کی طرف دیکھا۔'' ابھی تم نہیں جاسکتے'' انہوں نے کہا'' آج ہمارے ساتھ بیٹھ کر چائے پیو۔''

''بہتر۔ چچا جان۔''

''درانی صاحب کچھ دیر ادھر اُدھر کی بات کرتے رہے پھر مطلب کی بات زبان پر لائے'' میاں شہر یار، اب تم گھر بسالو۔''

''شہر یار نے انہیں یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہوگئے ہوں'' گھر تو بسا بسایا ہے۔ چچا جان'' پھر اس نے سوچ کر کہ چچا جان احمق ہیں، سمجھ نہیں پائے ہوں گے وضاحت کی'' میں رات کو اپنے گھر میں ہی سوتا ہوں۔ چچا جان!''

''میرا مطلب ہے، اب شادی کرلو۔''

''ہوجائے گی۔ چچا جان! شہر یار نے بے فکری سے کہا۔

''خود بخود ہوجائے گی؟'' درانی صاحب نے ذرا طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''پتا نہیں۔ ویسے میرا تو یہی خیال ہے'' شہر یار بولا پھر کچھ سوچ کر اس بات کی بھی وضاحت کی'' اماں کہتی تھیں، جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور شادی کا ایک وقت مقرر رہتا ہے۔ یوں لاکھ چاہو، کچھ نہیں ہوتا۔''

''تم کوشش نہیں کرو گے، رشتہ نہیں بھیجو گے تو بے چاری تو انتظار کرتے کرتے بوڑھی ہو جائے گی، جس کے ساتھ اللہ نے تمہارا جوڑا بنایا ہے۔''

''جی چچا جان، مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ وہ کون ہے؟''

''کوشش کرتے رہو۔ جہاں ہوگی، وہیں بات بن جائے گی۔''

''مگر میں رشتہ کیسے بھیجوں! کس سے بھجواؤں؟''

''یہ کام میں کرلوں گا تم فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کوئی خاص لڑکی پسند تو نہیں؟''

''لڑکی...... پسند؟ لڑکی ہے ہی کہاں، چچا جان؟''

''کیا مطلب؟ لڑکیاں نہیں ہوتیں؟''

''اماں کہتی تھیں، شادی سے پہلے عورت ماں ہوتی ہے، بہن یا بیٹی۔ شادی کے بعد ایک بیوی بھی ہوتی ہے۔ مجھے تو ہر طرف مائیں بہنیں ہی نظر آتی ہیں۔''

ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی، اُدھر نواب صاحب سبحان اللہ کا ورد کرتے کرتے لٹو ہوئے جا رہے تھے۔ ان کا بس چلتا تو باہر نکل کر بلائیں لینا شروع کر دیتے لڑکے کی۔

''تو میں کوئی بات چلاؤں؟''

''ضرور چلائیں، چچا جان!''

''تمہیں شادی کی تیاری میں کتنا عرصہ لگے گا؟''

''ایک دن بھی نہیں۔ امی سب تیاری مکمل کر چکی تھیں۔ کپڑے، زیور...... بینک میں رقم بھی یونہی پڑی ہے۔ امی بہو تلاش کرنے کی مہم شروع کرنے ہی والی تھیں کہ زندگی بے وفائی کر گئی ورنہ تو شادی ہو بھی چکی ہوتی۔''

''بھئی بہت خوب شہریار میاں، تم تو پکا ہوا پھل ہو'' درانی صاحب نے کہا پھر رازدارانہ انداز میں بولے ''ایک لڑکی ہے میری نظر میں۔ بس ذرا غریب گھر کی ہے۔ وہ لوگ جہیز نہیں دے سکیں گے۔''

''ہمیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس۔ اماں کہتی تھیں، ہمیں صرف بہو چاہیے۔''

''بس تو ٹھیک ہے تم جاؤ بیٹے، کل میں تمہیں بتا دوں گا۔''

شہریار گھر سے نکلا ہی تھا کہ نواب صاحب کمرے سے نکلے اور درانی صاحب کو دبوچ لیا ''درانی، تمہارا منہ تو میں مٹھائی سے بھر دوں گا۔''

''اور یہ فوتگی بذریعہ مٹھاس کا کیس بنے گا۔''

''یہ فوتگی کیا بلا ہے؟''

''فوت سے وضع کیا ہے زبردستی۔''

''زبان پر ظلم زیادتی نہ کیا کرو یار۔''

''اب تو تم مجھے کسی بات پر نہیں ٹوک سکتے۔ میں نے ایمرجنسی میں تمہیں داماد دلوایا ہے...... اور وہ بھی من چاہا۔''

''ٹھیک کہتے ہو مگر ہمارا صدقِ طلب بھی تو دیکھو۔ اللہ نے مانگتے ہی عطا فرما دیا داماد۔''

''اب کہو تو کل کی تاریخ رکھ لوں۔''

''ارے نہیں'' نواب صاحب نے گھبرا کر کہا ''سب تیاری مکمل ہے۔ پھر بھی ایک مہینہ تو لگے گا۔ کل یونہی رسمی کارروائی کے طور پر اپنے فرزند سوم تحت البشر دیانت کو بھیجوں گا۔ وہ ذرا برخوردار کو دیکھ لے۔ پھر تاریخ طے کرلیں گے۔''

''شق القمر کو کیوں نہیں بھیجتے۔ آخر وہ سب سے بڑے ہیں'' درانی صاحب نے کہا۔

''حضرت، وہ تو اپنی شادی کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ گدھے کو دیکھ کر بھی جھٹ ہاں کر دیں گے۔ یہی حال فرزندِ دوم کا ہے۔''

''چلیں، ٹھیک ہے۔''

''اب ہم چلتے ہیں، زوجہ خوش جمال وخوش خصال کو بھی خوش خبری سنا دیں۔ ہاں، کل ہم آپ کے لیے مٹھائی کا ٹوکرا بھجوا دیں گے۔''

✿......✿......✿

نواب پیلس کے دیوانِ عام میں نواب زادوں کا اجلاس ہو رہا تھا۔ نواب زادہ شق القمر کفالت اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔ اجلاس کا ایجنڈا ایک نکاتی تھا اور وہ ایک نکتہ تھا، شادی...... یا شادیاں۔

''اب معاملہ بہت سنگین ہو چکا ہے بھائیو'' شق القمر کہہ رہے تھے'' آج صبح میں نے آئینہ دیکھا تو پتا ہے کیا نظر آیا؟''

نواب زادہ نمبر چھ نجم السحر بلاغت نے گزشتہ روز ہی قصہ چہار درویش ختم کی تھی، وہ جھٹ سے بولے''ایک سفید بال نظر آیا ہوگا۔''

شق القمر نے بے حد بدمزگی سے انہیں دیکھا'' میاں، تم ابھی بچے ہو۔ ایک سفید بال نہیں، کالے بالوں کے نیچے سفید بالوں کی ایک پوری لٹ نظر آئی ہمیں۔ پہلے تو ہم کھلکھلا کر روئے، پھر پھوٹ پھوٹ کر خوب ہنسے۔''

برادر پنجم روح الاثر فصاحت کو شعروشاعری سے لگاؤ تھا اور مطالعہ بھی کرتے رہتے تھے۔ وہ آہ بھر کر بولے'' ہائے وہی سچویشن ہے ناصر کاظمی کے شعر والی۔ کیا شعر کہا ہے ظالم نے۔ فرماتے ہیں کہ...... پہلے تو میں چیخ کے رویا اور پھر ہنسنے لگا۔ بادل گرجا، بجلی چمکی تم یاد آئے۔''

فوق البدر سلاست نے فصاحت کو ڈپٹا'' خواہ مخواہ کی باتیں مت کرو۔ اس شعر والی سچویشن تو ہرگز نہیں ہے یہ۔''

''روحے کو کچھ نہ کہو فوقو'' شق القمر نے برادر چہارم کو ٹوکا۔'' اس نے جو شعر سنایا، حسب حال ہے۔''

نجم السحر بلاغت نے کہا'' یہ رمز تو بیان فرمائیے شقو بھائی کہ آپ پہلے روئے کیوں اور پھر ہنسے کیوں؟''

''نادان ہو۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے'' شق القمر نے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا'' ہم روئے اس لیے کہ بڑھاپا سر پہ...... ہاں عملاً سر پہ آپہنچا۔ ہم نے تصور میں دیکھا کہ دس بیس سال بعد ہماری شادی ہوئی ہے۔ نظر کمزور ہو چکی ہے۔ چنانچہ ایک بڑی بی ہماری لاٹھی کا رخ موڑ کر ہمیں حجلۂ عروسی کا راستہ دکھا رہی ہیں۔ یہ خیال آتے ہی ہم کھلکھلا کر رونے لگے۔ اس کے بعد روحے کے سنائے ہوئے شعر کی سچویشن پیدا ہوئی۔ ہمیں اپنی منگیتر، تمہاری ہونے والی بھابی یاد آئیں۔ ہم نے سوچا، سفید بالوں کی جو لٹ ہمارے سر میں چمکی ہے، اس کے کچھ بال ان کے سر میں بھی نمودار ہو چکے ہوں گے اور یاد رکھو، ایک سفید بال پورے سر کو سفید کر دیتا ہے۔ اب ہم نے تصور میں دیکھا کہ ہماری شادی ہو گئی ہے۔ ہم دونوں کو کوئی مشغلہ نہیں سوائے اس کے کہ ایک دوسرے کے بالوں میں ہیئر کلر لگاتے رہیں۔ یہ سچویشن ہی ایسی تھی کہ ہم پھوٹ پھوٹ کر ہنسنے لگے۔ مگر اب سوچتے ہیں کہ اس عالم میں کوئی ہمارا نام لیوا پانی دیوا، ولی عہد اس سلطنت کا کہاں سے آوے گا...... کیسے آوے گا۔''

''شقو بھائی، ہماری سچویشن آپ سے زیادہ دردناک ہے۔'' دوسرے نمبر کے بھائی نور البصر بصارت نے کہا۔

''وہ کیسے نورو میاں؟'' شق القمر انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں بھائی، آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں الٹا معاملہ ہے۔ لڑکوں کی عمر کم کر کے اور لڑکی کی عمر بڑھا کر بتائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ چالیس کے ہیں اور ہم سینتیس کے۔ تین تین سال کا فرق ہے۔ ہم سب میں۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ کسی کو بک...... میرا مطلب ہے، منگنی کر چکے ہیں۔ ہمیں دیکھیں، ہم نے 25 سال کی عمر میں پہلی محبت کی۔ جبکہ قبلہ گاہی ابا حضور 19 سال کی عمر میں امی جان کو بذریعہ عقد فتح کر لائے تھے۔ بہرکیف پانچ سال وہ محترمہ منتظر رہیں۔ پھر ہمیں فلرٹ سمجھتے ہوئے پہلے AVAILABLE رشتے کو قبول کرتے ہوئے سسرال کی پیاری ہو گئیں یعنی ہم تیس سال کی عمر میں......''

''شادی سے پہلے ہی رنڈوے ہو گئے'' سب سے چھوٹے بھائی سعد الظفر سعادت نے کہا۔

''تم چپ ہی رہا کرو سادو'' نورو میاں نے اسے ڈپٹا ''تم سب سے چھوٹے ہو، صرف سنا کرو۔''

''سنتا ہی ہوں، مگر کیا کروں......قدرت نے نطق بھی دیا مجھے۔''

''معلوم ہے، تم حیوان ناطق ہو، نور البصر نے حیوان پر بطور خاص زور دیتے ہوئے کہا'' ہاں تو بھائیو، ہم کہہ رہے تھے کہ اب تک دو لڑکیاں ہمیں فلرٹ سمجھتے ہوئے شادی کے رستے فرار ہو چکی ہیں۔ تیسری آج کل دھمکیاں دے رہی ہے اور چوتھی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس وقت تک لڑکیاں ہمیں گھاس ڈالنا ہی چھوڑ دیں گی۔''

''یہ کہانی تو ہماری بھی ہے'' برادر سوم تحت البشر دیانت نے پہلو بدلتے ہوئے کہا'' شروع میں تو ہم یہی سمجھے کہ آپ ہم پر چوٹ کر رہے ہیں۔''

''اور ہم یہ سن کر ڈر رہے ہیں'' چوتھے بھائی فوق البدر سلاست نے کہا'' تیس کی چوکھٹ تو ہم بھی پھلانگ چکے ہیں۔ ان دنوں ہماری پہلی محبت چل رہی ہے اور ہم اسے آخری بنانا چاہتے ہیں۔''

''کچھ کرو بھائیو، کچھ ہونا چاہیے'' شق القمر نے بلبلا کر کہا'' عمر ہی رائگاں نہ ہو جائے۔''

''مگر کیا کریں؟'' نور البصر بولے۔

''سب در شہوار کی وجہ سے ہو رہا ہے'' فوق البدر نے کہا۔

اس پر سب سے چھوٹے تین بھائیوں نے زبردست احتجاج کیا۔ ''بہن کا نام نہ لینا بھائی'' روح الاثر نے للکارا۔

''بھئی جب تک اس کی شادی نہیں ہوگی، ہم میں سے کسی کی شادی نہیں ہو سکتی'' شق القمر نے گھگیا کر کہا۔

''تو اس میں در شہوار کا کیا قصور۔ یہ تو ابا حضور کا فیصلہ ہے'' نجم السحر نے کہا۔

''اور کیا؟'' چھوٹے میاں بولے'' ابھی کوئی اس کی شادی کی عمر ہے۔ صرف انیس سال کی ہے وہ۔ یہ ظلم ہے کہ ابھی سے اس کی شادی ہو۔ ہم بھائیوں کی اکیلی بہن ہے۔ گھر کی رونق ہے۔ ابھی تو ہمیں اس کے ناز اٹھانے ہیں۔''

''اور یہ ظلم نہیں کہ چالیس کا ہونے کے باوجود میری شادی نہیں ہوئی۔ میرا سر سفید ہوا جا رہا ہے'' شق القمر نے فریاد کی۔

''اور در شہوار 22 سال کی ہے۔ نہیں مانتے تو ابا حضور سے بات کر کے دیکھ لو'' نور البصر نے دہاڑ کر کہا۔

''اور ابا حضور سے یہ شرط بھی منسوخ کرا دو...... پہلے در شہوار کی شادی والی'' تحت البشر نے چیلنج کیا۔

اس پر تینوں چھوٹوں کو سانپ سونگھ گیا۔

''اور نہیں کرا سکتے تو خاموش بیٹھو یا باہر چلے جاؤ۔ زندگی تو ہم چاروں کی خراب ہو رہی ہے'' فوق البدر نے فیصلہ سنایا۔

تینوں چھوٹوں کا مہر بہ لب دیکھ کر شق القمر نے ایجنڈا آگے بڑھایا'' اس مسئلے کا واحد حل در شہوار کی شادی ہے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن داماد میں جو اوصاف اور خصائل ابا حضور دیکھنا چاہتے ہیں، وہ کہاں سے آئیں گے؟'' نور البصر نے کہا۔

''روئے زمین پر تو کوئی ایسا ملے گا نہیں'' فوق البدر بولے۔

''ان شرائط کے ساتھ تو در شہوار پچاس سال کی ہو جائے گی اور بر نہیں ملے گا'' تحت البشر نے کہا۔

''اور اس وقت ہم 71 سال کے کنوارے ہوں گے......'' شق القمر نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''اگر زندہ رہے تو'' سعد الظفر نے جل کر کہا۔

''اسی وقت نواب جلیل القدر امانت کے قدموں کی دھمک سنائی دی'' ابا حضور......!'' ساتوں نے بیک وقت کہا اور تتر بتر ہو گئے۔

❁......❁......❁

پورا گھر سرگوشیوں سے گونج رہا تھا! امی حضور اور ابا حضور کی اتنی طویل اور خصوصی ملاقات تو بڑے بچوں کی یادداشت میں بھی نہیں تھی۔ رہے چھوٹے تو انہوں نے یہی دیکھا تھا کہ گھر میں دو مملکتیں ہیں، جن کے سربراہ امی اور ابا ہیں۔ دونوں مطلق العنان تھے اور دو تلواروں کی طرح الگ الگ نیام میں رہنا پسند کرتے تھے۔

''ضرور کوئی بڑا فیصلہ ہو رہا ہے۔'' سعد الظفر نے تبصرہ کیا۔

''مجھے حج پر بھیجنے کا فیصلہ ہوگا۔'' شق القمر بولے ''شادی کا تو امکان ہے ہی نہیں۔''

''آپ کے سر پر تو شادی ہی سوار ہے'' روح الاثر نے کہا۔

نجم السحر گنگنانے لگا ''نہ سہی وصل تو حسرت ہی سہی۔''

''حد ادب!'' نور البصر نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''میری استدعا ہے کہ شقو بھائی کی شان اور بزرگی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔''

''اے میاں، کیسی شان، کہاں کی بزرگی'' شق القمران پر الٹ پڑے ''مرد کی شان بیوی سے اور بزرگی جوان اولاد سے ہوتی ہے۔ اس وقت تک تمام بھائی ہمیں دوست ہی سمجھا کریں۔''

وہ سب پریشان بیٹھے رہے۔ ملاقات امی کے کمرے میں ہو رہی تھی، جسے ہنگامی طور پر کانفرنس روم کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ بالآخر کوئی سوا گھنٹے بعد امی حضور کانفرنس روم سے نکلیں۔ ان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں، خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ وہ سیدھی اسٹاک ایکسچینج میں تشریف لے آئیں۔ ڈرائنگ روم کو اسٹاک ایکسچینج کا نام نجم السحر بلاغت نے دیا تھا کیونکہ یہاں فرصت کے اوقات میں ساتوں بھائی یکجا ہو کر اپنی اپنی ہانکتے تھے اور دوسروں کی کم سے کم سنتے تھے۔

''خیریت تو ہے امی حضور؟'' شق القمر نے دریافت کیا۔

''خیریت ہے بیٹے۔''

''ابا حضور تو ٹھیک ہیں؟ نور البصر نے پوچھا۔

''بالکل ٹھیک ہیں'' امی نے تیکھے لہجے میں کہا پھر وہ تحت البشر کی طرف مڑیں ''بیٹے، تمہیں تمہارے ابا حضور طلب فرما رہے ہیں'' یہ کہہ کر وہ اپنے دارالحکومت یعنی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

ساتوں بھائیوں نے تشویش سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تحت البشر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ''آخر میں ہی کیوں؟'' وہ بڑبڑائے۔

''ہاں، بات تو تشویش کی ہے'' شق القمر نے سر ہلا کر کہا ''کوئی اہم معاملہ، کوئی فیصلہ ہوتا تو ہمیں بلایا جاتا۔''

''اور کوئی چھوٹا موٹا کام ہو تو غلام کی شامت آتی'' سعد الظفر نے چہک کر کہا۔

''ذرا بڑی اور اہم خدمت ہوتی تو نجم السحر کا بلاوا ہوتا'' نو البصر بولے۔

''بھائیو میں ویسے ہی ڈرا ہوا ہوں...... آپ لوگ اور ڈرا رہے ہیں'' تحت البشر نے گھبرا کر کہا ''پلیز...... میرا حوصلہ بڑھائیں۔''

''آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں۔ عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا'' نجم السحر بلاغت نے ترنم سے شعر پڑھا۔

''تم تو اور ڈرا رہے ہو مجھے'' تحت البشر بلبلائے۔

''ہونہہ ہو، کھنچائی ہونی ہے تمہاری'' نور البصر نے کہا۔

''بہر کیف، تم جاؤ۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں'' شق القمر بولے۔

تحت البشر اٹھ گئے مگر ان کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے امی حضور کے کمرے کی طرف چل دیے جہاں انکے تصور کے مطابق ابا حضور شمشیر بکف بیٹھے تھے۔

سب بھائی سسپنس سے دوچار تھے۔ ایک ایک منٹ گھنٹے بھر کا تھا مگر وہ دن ہی شاید طویل میٹنگز کا تھا۔ تحت البشر کو بھی بیس منٹ ہو گئے۔ پہلو

بدلتے بدلتے نجم السحر نے گنگنانا شروع کر دیا ''ہم حال ان کی بزم کا دنیا سے پوچھتے ہیں۔ دنیا وہاں گئی تو وہیں جا کے رہ گئی۔''

25 منٹ بعد تحت البشر آئے تو وہ بھی پھول کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ ان کے آتے ہی سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی۔ ''ذرا سانس تو لینے دیں'' انہوں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''سینے میں سانس سمانے تک سر کے اشارے سے جواب دیتے رہو'' شق القمر نے تحکمانہ لہجے میں کہا ''تمہاری مرمت نہیں ہوئی؟''

تحت البشر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کوئی پریشانی کی بات؟''

''ابا حضور امی جان سمیت عمرے کے لیے جا رہے ہیں؟''

''تمہیں گھر سے نکال دیا گیا ہے؟''

''ہر بار نفی میں سر ہلتا دیکھ کر شق القمر بھنا گئے۔ انہوں نے تحت البشر کے دو ہنٹر رسید کرتے ہوئے کہا ''ابے تو بتاتا کیوں نہیں کہ بات کیا ہے؟''

''شقو بھائی، پلیز......'' تحت البشر نے نرم لہجے میں کہا ''زبان و بیان کا خیال رکھئے۔''

''معذرت خواہ ہوں مگر کچھ بتاؤ تو؟''

''ایسے بتانے کی بات نہیں۔ خوش خبری ہے۔ مٹھائی کے بغیر نہیں سناؤں گا۔''

''چلو مٹھائی پکی۔''

''در شہوار کے لیے لڑکا مل گیا ہے'' تحت البشر نے دھماکا کیا۔ ''ابا حضو کو ہر اعتبار سے پسند ہے۔ تمام مطلوبہ خوبیاں موجود ہیں اس میں۔ ابا حضور تو سو جان سے مرمٹے ہیں اس پر۔ کل مجھے اس کا انٹرویو کرنا ہے۔ اس کے بعد معاملہ فائنل اور ایک ماہ میں شادی۔''

''یقین نہیں آتا'' شق القمر نے آہ بھر کے کہا۔

''میں نہیں جانتا'' نور البصر بولے ''ایسا لڑکا کہاں مل سکتا ہے؟''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آتا'' تحت البشر نے کہا ''لیکن ابا حضور کی خوشی اور یقین دیکھ کر انکار بھی نہیں کر سکتا۔''

اچانک شق القمر کو خیال آیا اور ان کا منہ بن گیا ''مگر یہ ذمے داری تو مجھے سونپی جانی چاہیے تھی'' انہوں نے معترضانہ انداز میں کہا۔

''بجا فرمایا۔ مگر ابا حضور کو آپ پر اعتبار نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''ابا حضور سمجھتے ہیں کہ آپ اپنی شادی کی بے تابی میں لڑکے کے عیوب بھی نظر انداز کر دیں گے۔''

''اور میں؟'' نمبر دو نور البصر نے نتھنے پھلا کر کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ آپ کی رومانوی مصروفیات و کیفیات ابا حضور سے پوشیدہ نہیں۔''

نور البصر کا چہرہ فق ہو گیا ''اب کیا ہو گا؟''

''کچھ نہیں۔ انٹرویو میں کروں گا اور کیونکہ میں اپنی دوسری ہی محبت کو آفاقی بنانا چاہتا ہوں لہٰذا انیس بیس کے فرق پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''بھائی، میری تیسری محبت ٹھکانے لگنے والی ہے۔ مارجن ذرا بڑھا لو'' نور البصر نے کراہتے ہوئے کہا ''پندرہ بیس بھی چلے گا۔''

''اتنے خود غرض نہ بنو'' شق القمر بلبلائے ''میرے اور میری منگیتر کے بڑھاپے پر رحم کرو۔ آدھوں آدھ سے بھی کام چل سکتا ہے۔''

''آپ لوگ تو صفر بیس کا فرق بھی قبول کر لیں گے'' سعد الظفر نے تنگ کر کہا۔

''ہم آپ کی خود غرضی کی خاطر بہن کے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دیں گے'' نجم السحر نے چیلنج کیا۔

''کیا کرلو گے تم؟'' شق القمر کو جلال آ گیا۔

''میں جا کر ابا حضور کو بتادوں گا کہ شقو بھائی کی طرح تختو بھائی بھی اپنی شادی کی فکر میں ہلکان ہورہے ہیں۔ ان پر اعتبار نہ کریں'' روح الاثر نے کہا ''اس کے بعد لڑکے کو میں دیکھوں گا۔''

''ضرور کروابا حضور سے بات۔ میں بھی جا کر تم لوگوں کی پول کھولوں گا۔ سب جانتا ہوں تمہارے بارے میں'' نورالبصر بولے۔

اس پر تینوں چھوٹے نرم پڑ گئے۔ شق القمر نے فوراً فائدہ اُٹھایا ''تم لوگ کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ ورشہوار ہمیں تم لوگوں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم چھلڈ ھگوں کو گود میں اٹھائے پھرے تھے، تب کہیں وہ پھول ہمیں ملا تھا'' وہ آبدیدہ ہوگئے۔ ''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم اپنی غرض کے لیے اس کا مستقبل، اس کی پوری زندگی داؤ پر لگادیں گے۔ مگر سوچو تو، اباجان کی کیسی کڑی شرطیں ہیں داماد کے بارے میں۔ ایک ناممکن قسم کا معیار انہوں نے بتایا تھا اور اب وہ مطمئن اور خوش ہیں تو وہ لڑکا کیسا ہوگا۔''

''جی ہاں، یہ تو ہے'' تینوں چھوٹے بیک آواز بولے۔

''بس تو ٹھیک ہے'' شق القمر تحت البشر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''کل تم جا کر لڑکے سے ملو، اسے دیکھو اور پرکھو۔ مجھے یقین ہے کہ تم کوئی رعایت نہیں برتو گے۔''

''ایسا ہی ہوگا عالی جاہ!'' تحت البشر نے سر کو کمر تک خم کرتے ہوئے کہا ''آپ چنداں فکر نہ کریں ظل الٰہی۔''

✿......✿......✿

شہریار آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینے میں اسے عکس جمال...... جمال درانی نظر آرہا تھا۔ شہریار نے بالوں میں انگلیاں گھماتے ہوئے ایک چھجا سا بنایا اور پھر ایک جھٹکے سے بالوں کو بکھیر دیا۔ ''چلو...... ہم تیار ہیں'' اس نے اعلان کیا۔

''چلو تم خود'' جمال نے بھنا کر کہا۔

''تم جانتے ہو کہ میں کریہہ الصوت حروف استعمال نہیں کرتا۔ سمجھ لیا کرو خود ہی۔''

''میں لعنت بھیجتا ہوں تمہارے کریہہ الصوت حروف پر۔''

''میں یہی تو تلقین کرتا ہوں تمہیں۔ اس وقت تم نے کی ہے میرے دل کی بات۔''

''تم تو یار پاگل کردو گے آنے والی کو۔ تم سے کوئی ڈھنگ سے بات ہی نہیں کرسکتا'' جمال نے زچ ہو کر کہا ''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہنو، بالوں میں سلیقے سے کنگھا کرو، آج تمہارا بردکھاوا ہے۔''

''بردکھوا! یہ کیا ہوتا ہے؟'' شہریار نے بھویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''بردکھوا نہیں معلوم؟ میاں، تمہارے رشتے کی بات چلی ہے۔ تمہارے سالے صاحب تمہیں دیکھنے آرہے ہیں۔''

''اوہ...... یہ تو سراسر غلط ہے۔ دیکھو جمال، دکھاوا تو ویسے ہی بری چیز ہے۔ اس پر ستم یہ کہ جاہلوں کی زبان استعمال کرتے ہوئے اسے اور برا کردیا۔ سوچو تو دکھوا۔ لگتا ہے، کوئی کوا کھر اغلاظت میں جونچ مار رہا ہے۔''

''اس رسم کو یہی کہا جاتا ہے۔''

''غلط کہا جاتا ہے۔ یوں کہو کہ بررونمائی۔''

''چلو یہی سہی۔ تمہاری بررونمائی ہورہی ہے۔ تمہارے سالے صاحب آرہے ہیں اسی سلسلے میں۔''

''یہ سالا بھی گالی ہے، برادر نسبتی کہو۔''

جمال کا اس بار دماغ ہی آؤٹ ہوگیا۔ ''ابے او رزبان داں کے پٹھے!'' اس نے گرج کر کہا ''یہ جو ہر وقت کریہہ الصوت ہانکتا رہتا ہے، یہ بتا

کہ گالی کو کالی کیوں نہیں کہتا، گ تو کریہہ الصوت ہے نا۔"

"نہیں ہے۔ مصری لوگ ایسا نہیں سمجھتے۔ اب تو میں اس پر غور کر رہا ہوں کہ تمہیں جمال کے بجائے گمال کہنا شروع کر دوں۔"

"بھائی...... میرے باپ...... مجھے بخش دے" جمال ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا "میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تو اپنا حلیہ درست کر لے۔"

"میرا حلیہ بالکل مناسب ہے بر رونمائی کے لیے" شہریار نے آئینے میں اپنے عکس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اماں کہتی تھیں۔ جہاں دیر یا تعلق جوڑنے والے ہو، وہاں پہلا تاثر خراب چھوڑنے کی کوشش کرو تا کہ بعد میں تم انہیں بہت اچھے لگو۔"

"اور اس پہلے تاثر میں رشتہ ہی نہ ہوا تو؟"

"اللہ کی مرضی۔ ہم سمجھیں گے کہ ہمارا جوڑ محترمہ موصوفہ کے ساتھ نہیں بنایا گیا ہے۔"

"اچھا بھائی، بس اب چل دے" جمال نے بھنا کر کہا۔

✿......✿......✿

تحت البشر بے چینی سے ہونے والے بہنوئی کے منتظر تھے۔ وہ بار بار پہلو بدلتے اور گھڑی کی طرف دیکھتے "شہریار میاں آتے ہی ہوں گے" درانی صاحب نے انہیں تسلی دی "جمال انہیں لینے گیا ہے۔"

"جی کوئی بات نہیں" تحت البشر نے جلدی سے کہا "دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ ہمیں اتنی بھی جلدی نہیں۔"

"لو، وہ آ گئے" درانی صاحب نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تحت البشر نے بھی دروازے کی طرف دیکھا...... اور دیکھتے ہی رہ گئے۔ جمال کو تو وہ جانتے تھے۔ جمال کے ساتھ جو لڑکا تھا یقیناً وہی شہریار ہو گا اور وہ پہلی نظر میں ہی ان کے دل میں اتر گیا۔ وہ دراز قد مگر دبلا بہت تھا۔ اس کے باوجود اس کی شخصیت میں عجیب سی دلکشی تھی۔ گورا رنگ، بکھرے ہوئے بال، کشادہ پیشانی، خوب صورت بڑی بڑی آنکھیں۔ نقوش بھی بے حد تیکھے تھے۔ انداز میں بے نیازی تھی جو خود اعتمادی ظاہر کر رہی تھی۔ پھر تحت البشر چونکے۔ پہلی بار شخصیت کے طلسم سے نکل کر انہوں نے لڑکے کے لباس کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ عام سا کرتہ پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ پیروں میں سلیپر تھے۔ بر دکھوے میں کون اس طرح آتا ہے، انہوں نے سوچا۔ اس لڑکے کو بہت اعتماد ہے خود پر اور بے نیازی تو دیکھو، اسے رد کیے جانے کی تو پروا ہی نہیں ہو گی۔ وہ اس سے مرعوب ہو گئے۔ اس سے بہت سنبھل کر بات کرنا ہو گی۔ انہوں نے فیصلہ کیا۔ "یہ لڑکا ہاتھ سے نہیں نکلنا چاہیے۔

"السلام علیکم!" لڑکے نے بڑے شستہ لہجے میں سلام کیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ تحت البشر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ لڑکے کی گرفت میں گرم جوشی تھی۔ ساتھ ہی یہ انداز بھی ہو رہا تھا کہ اس کے استخوانی جسم میں طاقت کا کوئی خزانہ چھپا ہے۔

"یہ ہیں بیٹے شہریار!" درانی صاحب نے تعارف کرایا اور پھر شہریار کی طرف مڑے "شہریار، یہ ہیں نواب زادہ تحت البشر دیانت۔"

"سبحان اللہ، زندگی میں ایسا پر شکوہ اور پر تمکنت نام نہیں سنا" شہریار نے پھڑک کر کہا۔

تحت البشر نے چونک کر اسے دیکھا کہ وہ اس کا مذاق تو نہیں اڑا رہا ہے مگر وہ سنجیدہ تھا "شکریہ!" تحت البشر نے آہستہ سے کہا۔ ابا حضور کو بھاری بھرکم نام رکھنے کا خبط ہے۔ ہمیں تو اپنے نام کا مطلب بھی نہیں معلوم۔"

اس کا مطلب ہے، انسان کے اندر، بہت گہرائی میں چھپی، دبی ہوئی دیانت" شہریار نے عالمانہ شان سے کہا۔

تحت البشر نے دل میں لاحول پڑھی۔ کیسا مذاق اڑوانے والا نام رکھا ہے ابا حضور نے۔

"خوب صورت نام ہے" شہریار نے کہا "پر شکوہ ایسا کہ سننے والا مرعوب ہو جائے۔ مفہوم کی گہرائی میں جائے تو انکسار ہی انکسار۔ سبحان اللہ۔ آج پہلی بار مجھے اپنا نام ہلکا لگا ہے۔"

تحت البشر اس کی توضیح کی خوب صورتی پر پھڑک اٹھے ''نہیں شہریار، آپ کا نام بہت خوب صورت ہے اور بھاری بھرکم بھی۔ بھئی بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''عنایت ہے آپ کی۔''

''شہریار، شغل کیا ہے آپ کا؟''

''والد مرحوم کے ایک دوست تھے...... ذوالقرنین صاحب، ان کے ریس میں گھوڑے دوڑتے ہیں۔ ایک گھوڑا میں بھی دوڑاتا ہوں۔ جوکی ہوں اور عام دنوں میں، چچا ذوالقرنین کے کاروباری حسابات کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔''

''تنخواہ کیا ملتی ہے؟''

''آٹھ ہزار۔ ریس کا معاوضہ الگ سے ملتا ہے۔''

''اس بار آٹھ ہزار سن کر تحت البشر بدکے۔ انہیں یاد آیا کہ ابتدا میں شہریار نے پ کے بجائے ب استعمال کیا تھا۔ انہیں افسوس ہونے لگا کہ لڑکا توتلا ہے۔ اتنا اچھا اور شاندار لڑکا اور توتلا۔ خیر اللہ کی مرضی ''ماشاءاللہ، رنگ سرخ وسفید ہے آپ کا'' انہوں نے کہا

''تماتر بہت شوق سے کھاتے ہیں ہم۔''

''اب کے تحت البشر کے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہوگئی۔ مگر شہریار کی مسترد کرنے کا خیال اب بھی ان کے دل میں نہیں آیا۔ الٹا وہ خوف زدہ تھے کہ لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ انہیں یہ ڈر تھا کہ شہریار ہونے والی بیوی کو دیکھنے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ ان دنوں یہ عام بات ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ابا حضور یہ کبھی گوارا نہیں کریں گے مگر انہوں نے سوچ لیا تھا کہ ایسی کوئی بات سامنے آئی تو وہ ابا حضور کو لاعلم رکھتے ہوئے کوئی صورت نکال لیں گے۔ ''ان دنوں رواج ہے کہ لڑکا اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھنا چاہتا ہے۔'' انہوں نے دبی زبان سے کہا۔

''ہم تو ایسا کر ہی نہیں سکتے'' شہریار نے جلدی سے کہا ''دیکھ لیا تو پھر وہ محترمہ ہمارے لیے بہن ہو جائیں گی، ہم شادی کے بعد ہی دیکھیں گے۔''

تحت البشر حیران بھی ہوئے اور انہوں نے سکون کی سانس بھی لی ''اچھا چچا جان، اب ہم چلتے ہیں'' انہوں نے درانی صاحب سے اجازت چاہی اور شہریار سے پرتپاک مصافحہ کر کے رخصت ہوگئے۔ تحت البشر کے جانے کے بعد درانی صاحب نے شہریار سے کہا ''میاں، تمہیں کچھ نہیں پوچھنا؟''

شہریار نے چند لمحے سوچا پھر بولا ''بس ایک ہی بات ہے۔ مجھے یہ بتائیے کہ محترمہ کی عمر کتنی ہے؟''

''بائیس سال۔''

''کم ہے'' شہریار نے غوروخوض کے بعد کہا ''خیر...... یوں ہے تو یونہی سہی، ہم تو تیار ہیں۔''

درانی صاحب اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئے۔

✿......✿......✿

شق القمر اور نور البصر، تحت البشر کے بڑی شدت سے منتظر تھے۔ وہ ان سے اکیلے میں ملے۔ چھوٹے بھائیوں کے سامنے ملنا مناسب نہیں تھا۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ دونوں بھائی تحت البشر کا الف لیلہ ریسٹورنٹ میں انتظار کریں گے تاکہ انٹرویو کی رپورٹ لی جا سکے مگر اب تحت البشر وہاں نہیں جانا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ ایک بے حد عجیب و غریب تبدیلی تھی جس سے وہ دوچار ہوئے تھے۔ درانی صاحب کے گھر سے مطمئن نکلے تھے لیکن راستے میں ان کی کایا پلٹ ہو گئی۔ انہوں نے سوچا کہ شہریار ہر اعتبار سے بہت اچھا لڑکا ہے لیکن توتلا بہت بڑا عیب ہے۔ توتلا پن آدمی کی شخصیت میں عجیب سی پیچیدگی پیدا کرتا ہے۔ وہ کڑھنے لگے۔ یہ ان کی پھول سی بہن کے ساتھ زیادتی تھی مگر دونوں بڑے بھائی اس عیب کو خاطر میں لانے والے نہیں تھے اور وہ اصرار کرتے کہ یہ بات ابا حضور کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے تحت البشر نے ارادہ کیا کہ بھائیوں سے پہلے ابا حضور سے مل کر انہیں توتلے پن کے عیب سے آگاہ کر دیں۔ ویسے انہیں حیرت تھی کہ ابا حضور اس سے کیونکر بے خبر ہے۔

ارادہ اپنی جگہ لیکن تحت البشر نے اچانک خود کو الف لیلہ ریسٹورنٹ کے سامنے پایا۔ چنانچہ وہ اندر بھی چلے گئے۔ دونوں بھائی ان کے منتظر تھے۔ انہیں دیکھتے ہی نورو بھائی نے چائے کا آرڈر دیا۔ ''آؤ بھئی تحتو'' شقو بھائی نے کہا ''سناؤ، کیا خبر ہے؟''

تحت البشر تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئے ''لڑکا تو بہت اچھا ہے شقو بھائی، لیکن......'' وہ کہتے کہتے رکے۔

''لیکن کیا؟'' شق القمر بری طرح بھڑکے۔

''لڑکا توتلا ہے'' تحت البشر نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''تب تو نہیں چلے گا'' شق القمر نے بلا جھجک کہا۔

''اور کیا...... ہماری در شہوار کمسن ہے، خوب صورت ہے۔ اسے کوئی رشتوں کی کمی ہے۔ ایسی جلدی بھی نہیں'' نور البصر نے بھی پرزور لہجے میں تائید کی۔

تحت البشر حیران رہ گئے۔ انہیں تو یہ توقع ہی نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ اب تنازع کھڑا ہو گا۔ دونوں بھائی ان پر دباؤ ڈالیں گے کہ ابا حضور کو یہ بات نہ بتائی جائے مگر دونوں بھائیوں نے تو یہ سنتے ہی لڑکے کو مسترد کر دیا تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد تحت البشر نے ایک شبے کے تحت پوچھا ''کوئی متبادل رشتہ نظر آ گیا ہے کیا؟''

''نہیں تو'' دونوں بڑے بھائیوں نے بیک آواز کہا۔

''مگر مل جائے گا۔ در شہوار کی عمر ایسی تو نہیں کہ ہم پریشان ہوں'' شق القمر نے کہا۔

''لیکن آپ کی عمر تو پریشانی کی حدود میں ہے'' تحت البشر نے انہیں یاد دلایا۔

''نہیں بھائی۔ ہمارا کچھ بھی ہو مگر بہن کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ تمہارے جانے کے بعد ہمیں اپنی خود غرضی پر شرمندگی ہونے لگی۔''

''ہمیں بھی۔'' نور البصر نے کہا ''ہم نے کہا، تف ہے اس زندگی پر جو بہن کے لیے باعث تکلیف ہو۔''

تحت البشر کو اس غیر متوقع تبدیلی کے اثر سے نکلنے میں کچھ دیر لگی پر انہیں وہ بات یاد آئی ''حیرت ہے کہ ابا حضور کو یہ عیب نظر نہیں آیا'' وہ بولے۔

''واقعی...... یہ تو حیرت کی بات ہے'' نور البصر نے کہا۔

''خیر...... تم انہیں بتا دو'' شق القمر نے بے پروائی سے کہا ''اب چلیں؟''

❁......❁......❁

''تمہیں تو توتلا پن کے سوا تو کوئی برائی نظر نہیں آئی اس میں؟'' نواب صاحب نے رپورٹ سننے کے بعد پوچھا۔

''جی نہیں ابا حضور!'' تحت البشر نے جواب دیا ''بلکہ سچ یہ ہے کہ اس نوعیت کا دوسرا پیس روئے زمین پر تو مل نہیں سکتا۔''

''یہ پیس سے کیا مراد ہے تمہاری؟'' نواب صاحب کا لہجہ تیکھا ہو گیا ''مضحکہ اڑا رہے ہو؟''

''جی نہیں۔ بے خلوص سے عرض کر رہا ہوں۔''

نواب صاحب بیگم صاحب کی طرف مڑے ''بس تیاری شروع کر دیں'' انہوں نے بیگم صاحب سے کہا ''خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ایسا منفرد داماد مل رہا ہے۔''

''خدا کا شکر ہے'' بیگم صاحبہ بولیں ''اب انشاء اللہ گھر خوشیوں سے بھر جائے گا۔''

''اور تاریخ؟''

''کل چلی جائیں اور ایک ماہ بعد کی کوئی تاریخ مقرر کر لیں۔''

تحت البشر حیرت سے دونوں کو دیکھ اور سن رہے تھے۔ وہ بمشکل بولے ''لیکن ابا حضور......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں'' نواب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''شہر یار تو تلا نہیں۔ بس وہ کریہہ الصوت حروف استعمال نہیں کرتا۔ پ کو ب، ٹ کو ت، چ کو ج، ڈ کو د اور ڑ کو ر کہتا ہے۔''

یہ سن کر تحت البشر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''جاؤ تمام بھائیوں کو بلا لاؤ'' نواب صاحب نے حکم دیا۔

ذرا دیر میں گھر میں جشن کا سماں ہو گیا۔ سب بھائیوں کو خوش خبری سنا دی گئی۔ شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں ذمے داریاں تقسیم کی جانے لگیں۔ پہلی بار پتا چلا کہ سات جوان بیٹوں کا فائدہ کیا ہے۔ کام اور ذمے داریاں کم معلوم ہو رہی تھیں۔

✿......✿......✿

شادی میں تین دن رہ گئے تھے۔ تیاریاں پورے شباب پر تھیں۔ نواب صاحب کے ہاں تمام کام مکمل ہو چکے تھے۔ ادھر کوئی نہ کوئی بیٹا ہمزاد کی طرح ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ''اور کچھ ابا حضور؟''

''اب کوئی کام نہیں؟'' نواب صاحب کہتے۔

''واہ...... ہماری بہن کی شادی ہو اور ہم بے کار پھریں؟'' لڑکا احتجاج کرتا۔

نواب صاحب ان کے لیے کام تلاش کرتے کرتے پریشان ہو چکے تھے۔ جہیز کا تمام سامان آ چکا تھا۔ اگلے روز اسے دولہا کے گھر بھجوانے کا پروگرام تھا۔ اسی سلسلے میں جنرل باڈی کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ یہ جنرل باڈی بھی نجم السحر بلاغت کی اختراع تھی۔ گھر کے سب لوگ جب بھی مل بیٹھتے وہ اسے جنرل باڈی کی میٹنگ قرار دیتے۔ بہر حال...... جنرل باڈی کی وہ میٹنگ ہڑ بونگ کا شکار ہو گئی۔ مسئلہ وہی تھا...... سب لڑکوں کا ایک مطالبہ تھا...... کوئی کام بتائیں۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ اگلے روز سامان دولہا کے گھر پہنچانا تھا۔ اس کے لیے تین افراد کافی تھے۔ نواب صاحب نے یہ کام تینوں بڑے بیٹوں کے سپرد کر دیا۔ اس پر چاروں چھوٹوں نے فرداً فرداً ہی سوال اٹھایا...... مجھے کوئی کام بتائیں۔

''کل آرام کرو'' نواب صاحب نے ٹالنا چاہا ''پرسوں کوئی کام سوچیں گے سب کے لیے۔''

''واہ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' ایک نے احتجاج کیا۔

''اور شفو بھائی سامان لے جاتے ہوئے کیا اچھے لگیں گے۔ یہ تو سب سے بڑے ہیں'' دوسرے نے دہائی دی۔

''چلو ٹھیک ہے۔ شفو سامان نہیں لے جائیں گے'' نواب صاحب نے فیصلہ کیا ''یہ کام ان کی جگہ فوفو کر لیں گے۔''

''تو ہم کیا کریں گے؟'' شفو میاں بلبلائے۔

''تم درانی صاحب کے پاس بیٹھ کر نگرانی کرنا۔ تم بڑے ہو'' نواب صاحب نے انہیں بہلایا۔

''مگر ہم تینوں کیا کریں گے؟'' روح الاثر فصاحت نے سوال اٹھایا۔ اشارہ اپنے اور دونوں چھوٹے بھائیوں کی طرف تھا۔

نواب صاحب پریشان ہو گئے۔ اچانک ایک ایک خیال سوجھ گیا ''شہریار میاں تم لوگوں کو اچھے نہیں لگے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے انہیں بس میری خاطر قبول کر لیا ہے۔''

اس بات کی تردید کے نتیجے میں کمرا مچھلی بازار بن گیا ''بھئی ایک ایک کر کے بات کرو'' نواب صاحب نے اپیل کی۔

''ہمیں تو وہ بہت اچھے لگے ہیں۔''

''ہمیں تو ان سے محبت ہو گئی ہے۔''

''ان کے لیے تو ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

''یہ آپ نے کیسے کہا؟''

''ہمیں تو ابھی سے وہ بہن جتنے عزیز ہو گئے ہیں۔''

''ہونا بھی چاہیے'' نواب صاحب نے کہا ''آخر وہ ہمارا اکلوتا داماد اور تم سب کا اکلوتا بہنوئی ہے مگر تمہارے عمل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔''

''کیا مطلب؟ فوق البدر نے پوچھا۔

''تم میں سے کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ شہریار میاں کو کتنی مشکل پیش آ رہی ہو گی۔ وہ اکیلے ہیں۔ یہاں بے کار بیٹھنے کے بجائے تم جا کر ان کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتے؟''

اس پر تینوں چھوٹے لڑکے سوچ میں پڑ گئے۔ ان کی آنکھوں میں چمک نظر آئی مگر فوراً ہی بجھ گئی۔ پھر روح الاثر نے کہا ''مگر ہم جائیں گے کیسے...... کس حیثیت میں؟''

''دوست کی حیثیت میں'' نواب صاحب پہلے ہی سب کچھ سوچ کر بیٹھے تھے ''بھئی وہ ابھی تم سے واقف تو نہیں۔ جمال تمہیں دوست کی حیثیت سے ملوا دے گا۔''

بات معقول تھی۔ شہریار نے ابھی تک تحت البشر کے سوا کسی سالے کو نہیں دیکھا تھا۔ نواب صاحب ڈرتے تھے کہ سات سالوں کو دیکھ کر لڑکا بدک نہ جائے۔ چنانچہ تمام لڑکوں نے ہونے والے بہنوئی کو غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے دیکھا تھا۔

''یہ ٹھیک ہے۔ بس ہم جا رہے ہیں۔'' تینوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہونے والے بہنوئی کو قریب سے دیکھنے، اس سے باتیں کرنے اور اس کی باتیں سننے کا خیال بے حد سنسنی آمیز تھا۔

✿......✿......✿

شہریار کو حیرت تھی کہ اس نے پہلے کبھی ان تینوں کو جمال کے ساتھ نہیں دیکھا مگر وہ تھے بہت اچھے، ملنسار اور محبت والے۔ تعارف کے ایک گھنٹے بعد وہ اس سے یوں گھل مل گئے جیسے بچپن کے ساتھی ہوں۔ عجیب بات یہ تھی کہ بغیر کسی وجہ کے اسے یہ یقین آتا تھا کہ وہ اس کے بہی خواہ ہیں۔ اس نے اچانک جب بھی ان کی طرف دیکھا۔ انہیں محبت بھری نظروں سے اپنی طرف دیکھتے پایا۔ ان نظروں میں عجیب والہانہ پن تھا۔ شہریار کے کیمپ کو ان کی آمد سے بڑی تقویت ہوئی۔ ان تینوں نے فوراً بڑی بڑی ذمے داریاں قبول کر لیں۔ ایک کے ذمے دلہن کے سہرے اور پھولوں کا بندوبست تھا، دوسرے کو نکاح کے چھوہاروں کا بندوبست کرنا تھا اور برات کی روانگی اور ٹرانسپورٹ تیسرے کے ذمے تھا۔ ولیمے کی ذمے داریاں بھی انہوں نے بڑھ چڑھ کر قبول کی تھیں۔

وہ تینوں رات بھر اس کے ساتھ رہے۔ اور دوست بھی تھے۔ لطیفوں اور گانوں کا سلسلہ چلتا رہا مگر شہریار کو کبھی وہ پریشان سے نظر آتے۔ وہ بڑی تشویش اور پریشانی سے ادھر ادھر دیکھتے۔ صبح ناشتے کے دوران سعد نے شہریار سے کہا ''شہریار بھائی، آپ کا گھر کچھ چھوٹا نہیں ہے۔''

شہریار نے حیرت سے اسے دیکھا ''ہمارے لیے تو ضرورت سے بہت زیادہ ہے بھائی۔ اکیلے ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔''

''مگر بھائی، ہمشیرہ کے آنے پر تو یہ چھوٹا ہی لگے گا'' نجم بولے۔

''ہمشیرہ!'' شہریار نے اس بار حیرت سے اسے گھورا۔

''جی۔ دوستوں کی بیویوں کو ہم بھابی کے بجائے ہمشیرہ ہی کہتے ہیں'' نجم نے جلدی سے وضاحت کی ''یہ زیادہ پاکیزہ رشتہ ہے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے مگر ان کے آنے پر گھر چھوٹا کیسے لگے گا؟'' شہریار کے لہجے میں تشویش تھی ''خدانخواستہ وہ اتنی وسیع و عریض تو نہیں ہیں۔ ارے ہم نے تو انہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔ مارے نہ جائیں کہیں۔''

''نہیں بھئی، ان کا یہ مطلب نہیں'' فصاحت نے انہیں تسلی دی ''ان کا اشارہ جہیز کی طرف ہے جہیز کا سامان آئے گا تو گھر چھوٹا پڑ جائے گا۔''

''ہمیں جہیز سے دلچسپی نہیں اور پھر وہ غریب گھر کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جہیز نہیں دیں گے۔ ہم نے کہا، ہمیں ضرورت بھی نہیں۔''

تینوں بھائیوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا ''پھر بھی شہریار بھائی، جہیز تو غریب سے غریب لوگ بھی دیتے ہیں'' نجم بولے۔

''اور کچھ لوگ یہ دیکھنے کے لیے بھی اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ لڑکا لالچی تو نہیں ہے'' فصاحت نے نکتہ پیش کیا۔

''کچھ بھی ہو، جہیز تو آئے گا ہی'' سعد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''بہتر ہے، ابھی سے فکر کر لیں۔''

''بھائی، ڈرانے والی باتیں مت کرو'' شہریار نے گھبرا کر کہا ''ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مزید گنجائش ہی نہیں۔ جہیز کی بخرات اس گھر میں چلے گی بھی نہیں'' جمال نے کہا۔

''پھر وہی بے ہوگی'' شہریار جمال پر الٹ پڑا ''پانچ حروف میں دو کریہہ الصوت۔ اے بھائی، بخرات کیوں نہیں کہتے؟''

''سبحان اللہ'' فصاحت بولے ''کیا اصطلاح فرمائی ہے شہریار بھائی۔''

''ابے تیرے کریہہ الصوت کی ایسی تیسی'' جمال آستینیں چڑھانے لگا ''ایسا ہی ہے تو بھنڈی، ٹماٹر، آڑو، کسٹرڈ کھاتا کیوں ہے سالے۔''

''سالا بننے کی اہلیت سے تو ہم محروم ہیں شہریار نے کہا'' اور تمہارے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایک کریہہ الصوت حرف تو ہم برداشت کر لیتے ہیں، دو نہیں جھیلتے۔''

آئندہ پڈنگ کا نام نہ لینا'' جمال نے کہا ''اس چار حرفی لفظ میں تین کریہہ الصوت ہیں۔''

''میں اسے بدنگ کہہ کر کھاتا ہوں۔''

''یہ بحث طول پکڑتی مگر اسی وقت کسی بھاری گاڑی کی آواز آئی۔ ایسا لگتا تھا کہ گاڑی صحن میں آ گئی ہے'' ہیلی کاپٹر لینڈ کر گیا ہے ہمارے گھر میں'' شہریار نے گھبرا کر کہا ''یار ذرا دیکھو تو۔''

''مجھے تو جیٹ کی آواز معلوم ہوتی ہے'' جمال نے تبصرہ کیا۔

پھر دوسری اور تیسری آواز بھی سنائی دی ''پورا اسکواڈرن معلوم ہوتا ہے یہ تو'' فصاحت بولے۔

''انڈیا نے حملہ تو نہیں کر دیا'' شہریار بولے۔

''ممکن ہے تمہارے گھر سے تو دشمنی ہے انڈیا کی'' جمال نے مضحکہ اڑایا ''باہر ٹینکوں کی رجمنٹ بھی ہوگی۔''

''اے دیکھو تو۔''

''وہ صحن میں نکلے۔ کھلے ہوئے دروازے سے انہیں دروازے پر کھڑا ٹرک نظر آیا۔اس پر سامان لدا ہوا تھا۔وہ سب دروازے کی طرف لپکے۔شہریار نے ٹرک ڈرائیور سے کہا ''یہاں کیوں کھڑا کر دیا ٹرک کو۔آگے بڑھاؤ۔''

''سامان یہیں اتارنا ہے صاحب'' ٹرک ڈرائیور نے کہا۔

شہریار نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا ''یہاں کوئی نیلام گھر بھی نہیں ہے۔''

''جو صاحب ہمیں لے آئے ہیں، ان سے بات کریں صاحب'' ڈرائیور نے کہا ''اور دو ٹرک اور بھی ہیں۔''

شہریار نے گھبرا کر دیکھا۔واقعی دو ٹرک اور بھی تھے اور وہ بھی سامان سے لدے ہوئے تھے۔اتنے میں تین آدمی آتے نظر آئے۔ان میں سے ایک کو شہریار پہچانتا تھا۔وہ ہی تھے جنہوں نے اس سے انٹرویو لیا تھا۔تینوں نے آ کر شہریار کو سلام کیا۔شہریار گنگ تھا۔تحت البشر نے دوسرے بھائیوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا ''یہ میرے بڑے بھائی نور البصر اور یہ چھوٹے ہیں فوق البدر سلاست۔''

''اس وقت شہریار کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔اس سے ان ناموں پر سبحان اللہ بھی نہیں کہا گیا ''یہ...... یہ کیا ہے؟'' اس نے گھبرا کر ٹرک کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ ٹرک ہے'' تحت البشر نے سادگی میں کہا۔

''یہ تو ہمیں بھی معلوم ہے بلکہ یہ تینوں ٹرک ہیں۔ہم یہ بوجھ رہے ہیں، یہ سب کیا ہے۔یہ ہمارے دروازے پر کیوں رکے ہیں؟''

''یہ سب آپ ہی کا ہے۔ٹرک نہیں، ٹرک پر لدا ہوا سب سامان۔''

''لیکن کیوں؟ جہیز کے بارے میں تو پہلے ہی طے ہو گیا تھا۔''

''یہ جہیز نہیں ہے۔سسرالی تحائف ہیں۔''

''تحائف...... اتنے تحائف! ہمارے گھر میں تو اتنی گنجائش بھی نہیں۔''

''دراصل گھر کی سمائی کا اندازہ کسی کو بھی نہیں ہوتا۔آپ دیکھیے گا، یہ سب کچھ سما جائے گا آپ کے گھر میں'' فوق البدر نے حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

شہریار نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا ''ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ٹرک سمیت سما سکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' نور البصر چونکے۔

''بس دروازے تڑوانا پڑے گا۔صحن اتنا بڑا ہے کہ تین ٹرک آسانی سے سما جائیں گے۔سامان انہی پر رکھا رہے گا۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں چھوٹے بھائی جان'' نور البصر نے گھبرا کر کہا ''ٹرک تو کرائے کے ہیں۔''

''اتارے جانے کے بعد یہ سامان ہمارے گھر کی سمائی سے بہت زیادہ ہے۔آپ اسے واپس ہی لے جائیں۔''

''بھائیوں نے بھائیوں کو امداد طلب نظروں سے دیکھا۔روح الاثر نے شہریار کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے ایک طرف لے گئے۔''یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔سامان لوٹانا تو حماقت ہے۔اسے اتروائیں پھر دیکھا جائے گا۔میں سمجھتا ہوں، سب سما جائے گا گھر میں۔''

''مگر ہمیں ضرورت ہی نہیں۔''

''تحائف واپس کر کے آپ سسرال والوں کی بے عزتی کریں گے۔وہ بڑے خلوص سے لائے ہیں۔''

''ہاں، یہ تو ہے'' شہریار نے تشویش سے کہا'' لیکن گھر چھوٹا پڑ جائے گا۔''

''دیکھا جائے گا۔سامان اتروا کر رکھوائیں تو۔جگہ کم پڑی تو میں ایک ترکیب بتاؤں گا آپ کو۔''

چنانچہ شہریار نے سامان اتارنے کی اجازت دے دی۔اس مرحلے میں بھی تینوں نئے دوست پیش پیش تھے۔انہوں نے مزدوروں کی طرح سامان ڈھویا شہریار نے بھی حصہ لینا چاہا مگر ان تینوں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ نوشہ کو کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔

ٹرک رخصت ہو گئے اور سامان اندر پہنچ گیا تو شہریار نے گھر میں داخل ہونے کے لیے قدم بڑھایا۔سعد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔''دل پکا کر کے چلیں۔''

''کیا مطلب؟''

''بس دل پکا کر لیں۔''

شہریار نے اندر قدم رکھا تو اس کی بات کا مطلب سمجھ میں آیا۔صحن سامان سے بھرا ہوا تھا۔سامان رکھتے ہوئے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ سامان کے درمیان ایک پتلی سی پگڈنڈی چھوڑ دی گئی تھی اس پر بس ایک آدمی چل سکتا تھا۔''کچھ سامان اندر بھی دیتے دیتے'' شہریار نے کہا''دو کمرے ہیں۔''

''آپ چلیں تو'' نجم نے کہا۔

شہریار کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا مگر پہلا کمرا دیکھ کر اس کی کیفیت اختلاجی ہوئی اور دوسرا کمرا دیکھنے کے بعد اس نے بمشکل خود کو بے ہوش ہونے سے روکا''یہ......یہ......اب......اب کیا ہوگا؟'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''اب میں وہ ترکیب بتاؤں گا جس کا آپ سے وعدہ کیا تھا'' فصاحت نے کہا اور اس کے کان سے ہونٹ ملا دیے۔

✿......✿......✿

شق القمر کفالت درانی صاحب کی بیٹھک میں ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔وہ بے حد مطمئن تھے۔ایک خاموش مبصر کی حیثیت سے انہوں نے دور سے سب کچھ دیکھا تھا۔جہیز کے سامان کی آمد اور بھائیوں کی کارکردگی''خدا کا شکر ہے'' انہوں نے زیر لب کہا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔درانی صاحب نے پکارا''کون ہے؟ آجاؤ بھئی۔''

''اسی لمحے جو چہرہ نمودار ہوا، اسے دیکھ کر شق القمر سنبھل کر بیٹھ گئے۔وجہ یہ تھی کہ شہریار کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔''آؤ میاں شہریار......بیٹھو میاں'' درانی صاحب نے کہا۔

شہریار بیٹھا نہیں بلکہ ڈھیر ہو گیا۔درانی صاحب نے پر تشویش نظروں سے اسے دیکھا''کہو میاں خیریت تو ہے؟''

''جی، ہمیں کچھ دریافت کرنا ہے'' شہریار نے کہا''ہم نے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا اپنی سسرال کے بارے میں۔''

درانی صاحب کی تشویش اور بڑھ گئی۔ادھر شق القمر نروس ہو رہے تھے''اب کیا ضرورت پڑ گئی بیٹے؟'' درانی صاحب نے شہریار سے کہا۔

''بس بر گئی۔آپ یہ بتائیے،ان کی فیملی میں کتنے افراد ہیں؟''

''بھئی تمہارے سسر ہیں، ساس ہیں، ان کے سات بیٹے ہیں اور اکلوتی بیٹی ہے جو تمہارے عقد میں آنے والی ہے۔''

''دس افراد ہوئے۔بات سمجھ میں آ گئی۔ہم تو مارے گئے۔ہمارے ساتھ انوکھی ہو رہی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' درانی صاحب کا لہجہ خراب ہو گیا۔

''دیکھیے، گھر داماد تو سنا تھا ہم نے۔گھر سسرال نہیں سنا تھا'' شہریار نے کہا۔

''کیا بک رہے ہو میاں؟''

''پلیز ججا جان۔آپ ہماری بات توجہ سے سنیں۔ورنہ ہم بھول جائیں گے۔ہم سمجھ گئے کہ وہ سب ہمارے ہاں آ کر رہیں گے مگر یہ ممکن نہیں.....'' درانی صاحب نے کچھ کہنا چاہا تو شہریار نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا ''ہمیں اپنا گھر برا لگتا تھا مگر آج اندازہ ہوگیا کہ اس میں تو ہمارا رہنا بھی آسان نہیں ہے۔کجا یہ کہ گھر میں دس افراد اور آ کر رہیں۔''

''میاں، تم کہنا کیا چاہتے ہو۔اس فضول بات کا خیال کیسے آیا تمہیں؟''

''سامان دیکھ کر'' شہریار نے کہا ''انہوں نے اپنا تمام سامان ہمارے گھر بھیج دیا ہے۔شادی ہوتے ہی سب لوگ خود بھی آ جائیں گے۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو'' درانی صاحب نے بگڑ کر کہا۔انہوں نے دیکھا تو شق القمر آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے مسکرا رہے ہیں ''ان لوگوں کا ذاتی مکان...... بہت بڑا...... محل...... نما۔وہ تمہارے ہاں کیوں آنے لگے؟''

''تو پھر اپنا سامان کیوں بھیج دیا ہمیں؟''

''ارے بے وقوف!'' درانی صاحب نے سر پیٹتے ہوئے کہا ''وہ انکے گھر کا نہیں۔سب چیزیں نئی ہیں اور تمہارے لیے ہیں۔''

''جی ہاں۔برادران نسبتی کہہ رہے تھے وہ تحائف ہیں ہمارے لیے۔''

''یہی بات ہے۔تم نے بہت غلط مطلب نکالا......''

''ٹھیک ہے۔ججا جان! اب ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ ہمیں اب بیوی کی مطلق ضرورت نہیں۔''

یہ سن کر درانی صاحب بہت زور سے اچھلے۔شق القمر کا بھی رنگ اڑ گیا ''کیا مطلب؟'' درانی صاحب نے کہا۔

''اب ہم کیا بتائیں...... کیسے بتائیں۔مگر یہ سچ ہے کہ اب ہمیں بیوی کی ضرورت نہیں۔''

''میاں برخوردار آپ ٹھیک تو ہیں؟'' درانی صاحب نے غصے میں کہا۔

''جی...... اللہ کا لاکھ لاکھ کرم ہے۔اس نے اپنے بندے کو ظرف سے سوا نواز دیا ہے۔''

''میں کہتا ہوں، بیوی والی بات کی وضاحت کرو، کیا تم شادی سے انکار کر رہے ہو؟''

''جی نہیں۔شادی تو ہوگی مگر ہماری اہلیہ کو اپنے ہی گھر میں رہنا ہوگا۔ہمارے گھر میں تو گنجائش نہیں ہے۔''

''ابے تو ہوش میں تو ہے'' درانی صاحب کا ضبط جواب دے گیا۔کہاں کی ہانک رہا ہے۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں...... آپ چل کر خود دیکھ لیں'' شہریار نے بے چارگی سے کہا ''گھر میں سچ مچ گنجائش نہیں ہے۔''

''میں اب تیری مرمت شروع کر دوں گا'' درانی صاحب دہاڑے۔

''آپ سمجھ نہیں رہے ہیں کہ ہم پر کیا گزر چکی ہے۔تحائف کی صورت میں اب تک اتنا سامان آ چکا ہے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے کرتے اور سامان کو گھر میں کھپاتے کھپاتے تھک چکے ہیں۔ہمیں پہلی بار پتا چلا کہ ہمارا مکان تو ہمارے ظرف سے بھی تنگ ہے۔اب آپ ذرا تفصیل سن لیں۔جہازی سائز کے بیڈ کو ہم نے جیسے تیسے اپنے بیڈ روم میں پھنسا دیا۔اپنا سامان صحن میں لے آئے۔بیڈ کی دونوں سائڈ ٹیبلیں بیڈ روم کے باہر دروازے پر لگا دی گئیں۔اب مسئلہ تھا صوفوں کے تین سیٹ اور ان کی میزوں کا۔ان میں سے دو سیٹ بیڈ پر لگ گئے۔شوکیس بھی وہیں لگ گیا۔الماری وسیع و عریض تھی۔اسے بھی بیڈ پر لٹا دیا۔اب ہمارا بیڈ روم دیکھنے میں چھوٹا موٹا دائس لگ رہا ہے۔فریج باتھ روم میں سما گیا ہے۔وہیں ڈیپ فریزر بھی ہے۔واشنگ اور ڈرائر کموڈ پر رکھا جا چکا ہے۔

''اب دوسرے کمرے کا حال سنئے'' شہریار نے آہ بھر کر کہا۔''اس پر ڈائننگ ٹیبل نے قبضہ کر لیا ہے۔کرسیاں، ایک صوفہ سیٹ بمع ٹیبل اس پر رکھ دیا ہے۔برتنوں نے کچن کو بھر دیا ہے...... چھت تک۔باقی سامان صحن کو کھا گیا ہے۔بس ایک پتلی سی پگڈنڈی رہ گئی ہے، جس پر چل کر ہم کمرے کے دروازے تک پہنچ سکتے ہیں۔''

''مقصد کیا ہے تمہارا؟'' درانی صاحب نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔

''ہم تو کسی نہ کسی طرح مسہری کے دائیں بر جرھ کر صوفے کے بہلو میں کسی تپبل کے نیچے سو رہیں گے لیکن اہلیہ کا کیا بنے گا؟''

''تو پھر؟'' درانی صاحب نے آنکھیں نکالیں۔

''آپ سمجھ کیوں نہیں رہے، چچا جان'' شہر یار نے فریاد کی۔ ''اب ہمارے گھر میں بشمول بیوی مزید کسی آئٹم کی گنجائش نہیں ہے۔''

اس پر شق القمر کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ مچلی۔ وہ اسے دبا بھی نہیں سکے ''بڑے ستم ظریف ہو میاں'' درانی صاحب نے شق القمر کی مسکراہٹ سے حوصلہ پکڑتے ہوئے ہنس کر کہا۔ ''جس کی وجہ سے سب نعمتیں ملیں، اسی کے وجود سے انکار کر رہے ہو۔''

''دیکھیں، ہم تو پہلے ہی جہیز کے خلاف تھے۔ ہم تو شادی سے پہلے ہی مصیبت میں پھنس گئے نا۔''

شق القمر نے اپنی دانست میں شہر یار کی نظر بچا کر سر ہلاتے ہوئے درانی صاحب کو اشارہ کیا ''اچھا میاں، تم جاؤ۔ اللہ بہتری کرے گا۔'' درانی صاحب نے کہا۔

''جی بہت بہتر'' شہر یار نے سعادت مندی سے کہا۔

اس کے جانے کے بعد درانی صاحب نے پر تشویش نظروں سے شق القمر کو دیکھا، جو مسکرا رہے تھے ''آپ پریشان نہ ہوں'' شق القمر نے کہا ''چھوٹے بھائی جان کے لیے مکان کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔''

''واہ صاحب'' درانی صاحب نے سرد آہ بھر کے کہا ''سسرال ہو تو ایسی۔''

جس بہتری کا تذکرہ درانی صاحب نے کیا تھا، وہ اسی روز ایک چابی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ چابی تحت البشر دیانت نے شہر یار کی خدمت میں پیش کی۔ ظاہر ہے کہ چابی ایک مکان کی تھی۔ مکان دیکھ کر شہر یار کی آنکھیں پھیل گئیں۔ مکان تو اسے تکلفاً بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ 480 مربع گز پر بنا ہوا بنگلا تھا، جس میں پانچ کمرے بنے ہوئے تھے۔ کمرے بڑے بڑے تھے۔ باہر لان بھی خاصا بڑا تھا۔

شہر یار کے ساتھ اس کے تمام دوست تھے۔ ان میں تینوں نئے دوست بھی شامل تھے۔ شہر یار اس بنگلے کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا ''کیوں بھئی، تمہیں کیا ہوا؟'' ارشاد نے کہا ''کیا لخلخہ سنگھانا پڑے گا۔''

''بھائی، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میرا ساتھ کچھ ہونے والا ہے'' شہر یار نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا ''میرے خیال ہے یا تو میری پوری سسرال میرے ساتھ رہنے کا تہیہ کر چکی ہے یا پھر تمہاری ہونے والی بھابی کا کم از کم حجم غیر معمولی حد تک زیادہ ہے۔''

''یہ خیال کیوں آتا ہے آپ کو؟'' فصاحت نے پوچھا۔

''پہلے اتنا سامان، پھر یہ مکان اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔''

''بھائی، وہ اکلوتی بیٹی ہیں۔ انہیں تو جو مل جائے، کم ہے۔ سات بھائی ہیں ان کے ناز اٹھانے والے'' نجم والے۔

''اور ایک بات یاد رکھنا بجو......'' جمال نے کہا۔

شہر یار اچھل پڑا ''کیا کہا تم نے مجھے......بجو!''

''بجو میں چ کریہہ الصوت ہے اور اس پر تشدید بھی ہے'' جمال نے صفائی پیش کی۔

''تو بجو کہو نا۔ زیر کیوں لگایا تم نے'' شہر یار نے لال پیلے ہو کر کہا۔

''اب کریہہ الصوت کا خیال رکھوں گا تو زبر زیر کی غلطی تو ہو گی۔ بجو بھی کہہ سکتا تھا۔ خیر، میں یہ کہہ رہا تھا کہ ازدواجی زندگی میں ذرا احتیاط رہنا۔ بھابی کے ساتھ کوئی زیادتی، کوئی گستاخی نہ کرنا ورنہ سات بھائیوں نے ایک ایک تھپڑ بھی رسید کیا تو گندھا ہوا آٹا بن جاؤ گے بجو۔ چاہے کوئی چپاتی بنا لے، چاہے کوئی پراٹھا۔''

''ارے اس سامان کی افتاد میں یہ تو خیال ہی نہیں رہا۔ واقعی سات برادران نسبتی! ات از تو مچ'' شہریار نے سر پیٹ ڈالا۔

''بھائی، آپ بات کو دوسرے زاویے سے دیکھیے'' سعد نے اسے سمجھایا ''وہ ساتوں بہن سے پیار کرتے ہیں تو آپ سے کتنی محبت کریں گے۔ کیسے ناز اٹھائیں گے آپ کے۔ اب آپ دیکھ لیں کہ یہ جہیز نہیں، سات بھائیوں اور ایک باپ کے دیے ہوئے تحائف ہیں۔''

''ہاں، یہ امکان تو ہے'' شہریار نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''خیر یہ تو بعد میں معلوم ہو جائے گا۔ پہلے اس معاملے کو تو بھگت لوں۔''

''کون سے معاملے کو؟''

''ارے یہی۔ ہم سامان بخشوانے گئے تھے، وہاں الٹا مکان گلے پڑ گیا'' شہریار نے جھلا کر کہا ''اب کیا کروں؟ اسے سنبھالوں کہ وہاں دیکھوں۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں۔ ہم جو ہیں۔'' سعد نے سینہ ٹھونک کر کہا ''ابھی جا کر وہاں سے سامان لے بھی آئیں گے اور سیٹ بھی کر دیں گے۔''

شہریار ممنون ہونے کے سوا کیا کر سکتا تھا! رات تک وہ نیا گھر سیٹ ہو گیا۔ تمام سامان سلیقے سے رکھ دیا گیا۔ یہاں وہ ٹھنسا ہوا نہیں بلکہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ مگر شہریار اب بھی باؤلا پھر رہا تھا۔ کبھی ایک کمرے میں جاتا، کبھی دوسرے کمرے میں۔ چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔

''ابے لمڈھگ، اب تجھے کیا تکلیف ہے؟'' جمال نے پوچھا۔

''پلیز جمال بھائی، لمڈھگ کہیے۔'' نجم نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے التجا کی۔

''میں پریشان ہوں'' شہریار نے کہا ''اتنے بڑے گھر میں، میں اکیلا رہوں گا؟''

''اکیلا کیوں، بھابی بھی ہوں گی ساتھ۔''

''وہ بھی اکیلے ہی کے برابر ہے'' شہریار نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''اتنا بڑا گھر! مجھے تو وہاں اپنے گھر میں بھی وحشت ہوتی تھی۔''

''انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا'' ارشاد نے آہ بھر کے کہا۔

شہریار الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں ''یار و ایسا کرو کہ تم بھی یہیں شفٹ ہو جاؤ۔ تین کمرے میں تمہارے لیے مخصوص کر دوں گا۔''

''نہیں بابا!'' جمال نے ہاتھ جوڑ دیے ''میرے والد نادر شاہ درانی کی نسل کے ہیں۔ وہ تو مجھے آخ کر کے یہاں ایسا تھوکیں گے کہ ہڈی پسلی برابر ہو جائے گی میری۔''

''یہ ممکن ہی نہیں بھائی'' سعد بولے۔

''میں کچھ ترکیب کرتا ہوں'' نجم نے کہا ''ایسا کام دکھاؤں گا کہ شہریار بھائی کو یہ گھر چھوٹا لگنے لگے گا۔''

شہریار نے بے یقینی سے اسے دیکھا مگر وہ حرکت میں آچکا تھا۔ ذرا دیر کے بعد گھر کسی اسکول یا صنعتی یونٹ کا منظر پیش کرنے لگا۔ ہر کمرے کے دروازے پر گتے پر خوش خط لکھی ہوئی چھوٹی چھوٹی تختیاں آویزاں کر دی گئیں ''یہ لیجیے۔'' نجم نے کہا ''اب اپنے گھر کا جائزہ لے لیجیے'' اس دوران میں اس نے شہریار سمیت تمام دوستوں کو لان میں بٹھا دیا تھا۔

''یہ تو ہے بیڈ روم'' نجم نے کہا ''باتھ روم بھی طے ہے۔ ڈائننگ اور ڈرائنگ روم بھی طے شدہ ہے۔ ٹی وی لاؤنج بھی اپنی جگہ درست ہے۔ اس ایک کمرے کو میں نے بیڈ روم بنا دیا ہے'' اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ''چائے جب بھی پینی ہو، اس کمرے میں آجائیں۔ کسی اور جگہ چائے ہرگز نہ پئیں۔''

شہریار نے رضامندی میں سر ہلا دیا۔

''اور ٹی وی روم کے ساتھ جو اٹیچڈ باتھ ہے'' اسے نیوز روم کے طور پر استعمال کریں۔''

''ابے یہ کوئی اخبار کا دفتر ہے؟'' جمال دہاڑا۔

''بات تو سننے دو'' شہریار نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''یہ وہ جگہ ہے، جہاں بڑے اور مدبر لوگ بیٹھ کر اخبار پڑھتے ہیں'' نجم نے وضاحت کی۔

''بہت خوب!'' شہریار گویا پھڑک گیا۔

''اور یہ ہے کانفرنس روم'' نجم نے کہا ''مسائل پر تبادلہ خیال یہاں ہوگا۔ کہیں اور مسائل پر گفتگو ہرگز نہ کریں۔''

''بالکل ٹھیک'' شہریار نے تائید کی۔

''اور اس کمرے کے اٹیچڈ باتھ کو میں نے تھنکنگ روم قرار دیا ہے۔ کوئی بہت الجھا ہوا مسئلہ ہو اور تبادلہ خیال کے دوران میں سوچنا پڑ جائے تو باتھ روم کا رخ کریں۔ خوب سوچیں، غور و فکر کریں پھر باہر آ کر اس پر تبادلہ خیال کریں۔''

''سبحان اللہ'' شہریار نے داد دی۔

''مگر اس کا فائدہ؟'' ارشاد نے پوچھا۔

''اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو گھر اور زندگی میں ڈسپلن پیدا ہوگا۔ دوسرا فائدہ میں نہیں بتاؤں گا، ذرا دیر بعد خود بخود سامنے آ جائے گا'' نجم نے کہا پھر باری باری سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کسی کو کوئی اعتراض؟''

جمال نے ہاتھ اٹھا دیا ''مجھے ایک اعتراض ہے سر۔''

''ہم ہمہ تن سماعت ہیں'' نجم نے شاہانہ انداز میں کہا۔

''ڈرائنگ کون کرے گا۔ اس شہریار کو تو رنگوں کی تمیز بھی نہیں ہے۔''

''اعتراض اگر چہ جاہلانہ ہے مگر پھر بھی قبول کیا جاتا ہے۔'' نجم نے کہا اور فوری طور پر گتے کی ایک تختی پر سٹنگ روم لکھ دیا۔ پھر اس نے ڈرائنگ روم والی تختی اتار کر سٹنگ روم والی تختی لگا دی۔ ''اور کوئی اعتراض؟'' اس نے پوچھا۔

''یہاں لڑائی کا کمرا تو ہے نہیں'' ارشاد نے کہا۔

''گھر کے امن کے لیے اس کمرے کا نہ ہونا نہایت ضروری ہے۔''

''مگر خلاف فطرت ہے'' ارشاد نے جوابی اعتراض کیا ''لڑائی پر پابندی عائد ہوئی اور لڑنے کی کوئی جگہ نہ ہوئی تو غصہ اندر جمع ہوتا رہے گا۔ گھٹن ہوگی اور کسی دن بہت بڑا دھماکا ہو جائے گا۔''

''ارشاد ٹھیک کہہ رہے ہیں'' فصاحت نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، دیکھتے ہیں'' نجم بولے۔

گھر کا ازسرنو جائزہ لیا گیا۔ بالآخر نجم نے چھوٹے سے گیراج کے باہر لڑائی کا کمرا، کی تختی آویزاں کر دی ''یہ لیجیے'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا پھر شہریار کی طرف مڑا ''لیکن یاد رہے کہ مہذب لوگوں کی طرح کرسی پر تمیز سے بیٹھ کر لڑنا ہوگا۔ یہ نہیں کہ کھڑے ہو کر بھٹیاروں کی طرح لڑنا شروع کر دیا۔''

''مگر یہاں تو بہت گرمی اور گھٹن ہے'' سعد نے اعتراض کیا۔ ''پنکھا بھی نہیں ہے یہاں اور چھت بھی نیچی ہے۔''

''نہایت مناسب ہے'' نجم نے کہا ''لڑنے کے لیے LUXURIOUS ماحول کی ضرورت بھی نہیں۔ یہاں جھگڑا طویل نہیں ہو سکتا۔ لڑنے والے گرمی اور گھٹن سے گھبرا کر لڑنا مختصر کر کے بھاگ لیں گے، ہاں میں چند کرسیوں پر فائٹنگ چیئرز کا لیبل لگا دوں گا۔ لڑنے والے خواتین و حضرات نے اپنی اپنی کرسی ساتھ لے کر لڑائی کے کمرے میں جانا ہوگا۔''

''لیکن جلد بازی میں لڑائی کا اختتام سر پھٹول، اقدام قتل اور قتل پر بھی ہو سکتا ہے، فصاحت نے گھبرا کر کہا۔

''نہیں ہوگا'' نجم نے نہایت اطمینان سے کہا ''باہر کی سمت ایک ایگزاسٹ فین لگوا دوں گا کل۔ اور کوئی اعتراض؟''

''یہاں میوزک روم تو ہے ہی نہیں'' سلیم نے کہا۔

''ہاں۔نہیں ہے۔اس کا جواب میں انشاءاللہ دوسرے اعتراضات کے ساتھ دوں گا''

''ریڈنگ روم بھی نہیں ہے'' شفیق بولا۔

''ہنسنے اور مسکرانے کا کمرا بھی نہیں ہے'' ارشاد نے کہا۔

''رونے کا کمرا بھی نہیں ہے'' جمال نے کہا'' بھائی کو تو بہت پریشانی ہوگی۔ان کیلئے یہ کمرا بہت ضروری ہے..... شہریار سے شادی کے بعد۔''

''اور سیٹنگ روم ہے تو اسٹینڈنگ روم بھی ہونا چاہیے'' سعد بولے۔

''ڈریسنگ روم بھی نہیں ہے'' فصاحت نے کہا۔

''اب اور کوئی اعتراض ہو تو بتائیں تاکہ میں جواب دے سکوں'' نجم نے شہریار کو غور سے دیکھا، جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔سب لوگوں کو خاموش پا کر نجم نے فخریہ لہجے میں کہا'' حضرات،آپ کے اعتراضات درست ہیں۔یہاں بہت سے کاموں کے لیے کمرے موجود نہیں ہیں،مگر مجبوری ہے۔ان کے بغیر کام چلانا پڑے گا۔''

''کیوں؟''

''کیسی مجبوری؟''

''دوستو، بھائیو...... یہ گھر بہت ہی چھوٹا ہے۔اتنی گنجائش نہیں ہے اس میں'' نجم نے کہا'' امید ہے،آپ مطمئن ہو گئے ہوں گے۔''

اچانک شہریار اچھل پڑا'' میں اتنی دیر سے سوچ رہا تھا کہ کوئی اہم چیز رہ گئی ہے۔اب خیال آیا۔ہمارے گھر میں باتیں کرنے کا کمرا تو ہے نہیں۔''

''باتیں!'' ارشاد نے اسے حیرت سے دیکھا۔

''ہاں...... روزمرہ کی عام سی گفتگو۔''

''آپ اس کے بغیر ہی عافیت میں رہیں گے'' نجم نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔اس پر سعد اور فصاحت مسکرا دیے۔

''نہیں بھئی،اس کے بغیر کام نہیں چلے گا'' شہریار کے لہجے میں قطعیت تھی۔

''چلیں، کچھ کرتا ہوں میں۔''

کچھ سوچ بچار کے بعد نجم نے ٹاکنگ روم کی تختی لان میں گاڑ دی'' اس احسن اقدام پر آپ عمر بھر مجھے دعائیں دیں گے بھائی'' اس نے شہریار سے کہا۔

''شکریہ بھائی۔تم بہت کام کے آدمی ہو'' شہریار بولا۔

❁......❁......❁

شادی میں دو دن رہ گئے تھے!

شہر یار سو کر اٹھا تو جمال نے کہا" زندگی کا آغاز کرنے سے پہلے ذرا باہر چلے چلو تا کہ زندگی کے آداب سے واقفیت ہو جائے۔"

وہ ان سب کو باہر لے آیا۔ وہ سب ششدر رہ گئے۔ صدر دروازے کے پہلو والی دیوار پر ایک بہت بڑا بورڈ لگا تھا۔ اور جلی حروف میں لکھا تھا......'افلاطون کا ضابطہ حیات' نیچے کی عبارت بھی قابل توجہ تھی ، لکھا تھا......

" گھر کے مکینوں، اعزا، احباب اور ملاقاتیوں سے استدعا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں ڈسپلن کا خاص خیال رکھیں۔ یہاں ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے پر تادیبی کارروائی ہوسکتی ہے۔ ڈسپلن سے آگہی کے لیے نیچے دی گئی ہدایات کو غور سے پڑھ لیں۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ کہاں کیا، کیا جاسکتا ہے اور کیا کیا نہیں کیا جاسکتا۔"

1۔ سٹنگ روم صرف بیٹھنے کے لیے ہے۔ وہاں لیٹنے، نیم دراز ہونے، مشاورت اور غور و فکر کرنے اور کسی بھی قسم کی گفتگو سے پرہیز کیجیے۔

2۔ بیڈ روم صرف لیٹنے اور سونے کے لیے ہے۔ لیٹنے یا سونے کی خواہش ہو تو بیڈ روم کا رُخ کیجیے یا اپنے گھر کا راستہ پکڑیے۔

3۔ ٹی وی لاؤنج میں آپ صرف ٹی وی دیکھ سکتے ہیں۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ کس پوزیشن میں ٹی وی دیکھنا پسند کرتے ہیں...... بیٹھ کر، نیم دراز ہو کر، لیٹ کر یا کھڑے ہو کر۔ تاہم آپ کو خاموش رہنا ہوگا۔ وہاں کسی قسم کی گفتگو کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں آپ پروگراموں اور فلموں پر تبصرے ضرور کرسکتے ہیں۔

4۔ ڈائننگ روم کھانے اور ناشتے کے لیے ہے مگر چائے پینے کے لیے فوراً ٹی روم کا رخ کریں۔ گھر میں کافی روم، کولڈ ڈرنک روم یا شربت روم نہیں ہے اور یہ چیزیں آپ ٹی روم میں بھی نہیں پی سکتے۔ بہتر تو یہی ہے کہ آپ ان چیزوں کے استعمال سے باز رہیں۔ ضروری ہی ہو تو کسی بھی راہداری میں کھڑے ہو کر پی لیں۔

5۔ ٹی روم میں صرف اپنے کام سے کام رکھیں، یعنی چائے پئیں۔

6۔ نیوز روم میں صرف اخبار پڑھیں۔ اسے ریڈنگ روم سمجھ کر سب کچھ اس میں پڑھنا نہ شروع کر دیں۔

7۔ کانفرنس روم میں مسائل پر تبادلہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ خواہ مسائل کسی بھی قسم کے ہوں۔ اس دوران میں سوچنے اور غور و فکر کی ضرورت محسوس ہو تو کانفرنس سے ملحق تھنکنگ روم کا رخ کریں۔ غصہ آئے تو لڑائی کے کمرے میں چلے جائیں۔ فائٹنگ چیئرز اسٹور روم میں موجود ہیں۔ اپنی مدد آپ کیجیے۔ گفتگو میں عمومیت طاری ہونے لگے تو ٹاکنگ پلیس یعنی لان کی طرف رجوع فرمائیے۔

8۔ یاد رکھیے، باتھ روم صرف بیڈ روم کے ساتھ ہے۔

9۔ نیوز روم اور تھنکنگ روم کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ صحت مند فکر اور سوچ کے لیے صاف ستھرا ماحول بہت ضروری ہے۔ پانی خاص طور پر زیادہ بہائیں۔

10۔ لڑائی کے کمرے میں تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ ہاتھا پائی سے گریز کریں۔ مار پیٹ کے لیے گیٹ سے باہر سڑک پر تشریف لے جائیں۔

11۔ جن کاموں کے لیے گھر میں کمرے مخصوص نہیں، وہ کام آپ کہیں بھی کرسکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی قابل اعتراض کام نہ ہو مثلاً آپ کہیں بھی رو سکتے ہیں، ہنس سکتے ہیں اور کھڑے ہوسکتے ہیں۔

12۔ ٹاکنگ پلیس پر...... یعنی لان میں گرما گرمی سے پرہیز کریں۔

13۔ مندرجہ بالا ضوابط کے علاوہ ضرورت کے تحت مزید ضابطے بنائے جاتے رہیں گے۔ انہیں اس بورڈ پر تحریر کیا جاتا رہے گا۔ آپ پر لازم ہے کہ ان کا احترام کریں۔

نیچے لکھا تھا...... بحکم ایڈمنسٹریٹر، شہر یار ہاؤس۔

''تمہیں تو دستور ساز اسمبلی میں ہونا چاہیے تھا'' شہریار نے بورڈ پڑھ کر کہا۔

''ہرگز نہیں۔ اسمبلی کے اراکین کو دستور سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ تو اسمبلی کو وزارت کی سیڑھی سمجھتے ہیں۔ وزارت نہ ملے تو اسمبلی میں جوڑ توڑ شروع کر دیتے ہیں۔ پھر بھی بات نہ بنے تو سیڑھی کو گرانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں'' فصاحت بولے۔

''بہرکیف، آپ لوگوں کی تعریف کا شکریہ'' جمال نے سرخم کرتے ہوئے کہا ''یہ میں نے تحریری کاپیاں بھی بنوالی ہیں'' اس نے کچھ کاغذ شہریار کی طرف بڑھائے ''ایک کاپی آتے ہی بھابی صاحبہ سے ریسیو کرا لینا۔''

شہریار نے دیکھا' کاغذ پر بھی وہی کچھ لکھا تھا، جو بورڈ پر موجود تھا ''یہ تو میں اہلیہ محترمہ کو منہ دکھائی میں دوں گا'' اس نے زیر لب کہا۔

⁂

افلاطون کا ضابطہ حیات سبھی کے لیے مسئلہ بن گیا؟ ارشاد نیوز روم میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کرنے لگا تو سب نے شور مچایا ''تم یہ دروازہ بند نہیں کر سکتے۔''

''کیوں نہیں کر سکتا؟''

''یہ جگہ صرف اخبار پڑھنے کے لیے ہے۔''

''تو دروازہ کیوں لگایا ہے؟''

''یہ ایک رسم ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم دروازہ بند کر کے اخبار پڑھنے لگو'' سلیم نے دروازہ پکڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو بھائی، میرا بہت برا حال ہے۔''

''کچھ بھی ہو۔ دروازہ بند نہیں ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ تو پھر میں یونہی بیٹھ جاتا ہوں اپنی خبریں نشر کرنے'' ارشاد نے جھنجلا کر کہا۔

اس پر فصاحت گھبرا گئے ''نہیں بھئی تم دروازہ بند کر لو۔ پورنو پروگرام کے لیے تو دروازہ بند کرنا ہی پڑے گا۔''

ارشاد نے مسکراتے ہوئے سلیم کا ہاتھ ہٹایا اور دروازہ بند کر لیا ''فصاحت بھائی، یہ کیا؟'' سلیم نے احتجاج کیا ''یوں آئین مذاق بن کر رہ جائے گا۔''

''یہ بات نہیں'' فصاحت نے بے حد سنجیدگی سے کہا ''آئین بنتے ہیں تو ان کی وضاحت اور صراحت کا کام بھی ہوتا ہے۔ یہ تشریح و توضیح کا معاملہ ہے کیونکہ اس گھر کے دستور میں نہ کہیں دروازہ بند کرنے کی پابندی لگائی گئی ہے، نہ ہی دروازہ کھلا رکھنے کی۔''

''تو کس کی تشریح مستند قرار پائے گی۔ ہے کوئی اتھارٹی اس سلسلے میں؟'' سلیم نے چیلنج کیا۔

''خدا کے لیے بھائیو!'' شہریار نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ مسئلہ اٹھتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا ''یہ میرا ہونے والا گھر ہے، کوئی جمہوریت نہیں۔ یہ حال رہا تو ہمیں آئینی پٹیشنز کے لیے فل بینچ رکھنی پڑے گی۔ چیف جسٹس کا تقرر بھی مسئلہ بن جائے گا۔''

''اس کی فکر نہ کریں آپ۔ چیف جسٹس موجود ہے'' فصاحت نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

کچھ اسی قسم کی صورت حال تھنکنگ روم میں پیش آئی مگر اس وقت تک ایک نظیر قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ معاملہ ہلکا رہا۔ جمال تھنکنگ روم کا دروازہ اندر سے بند کر رہا تھا کہ سعد نے اسے ٹوکا ''دروازہ کیوں بند کرتے ہو؟''

''پرائیویسی میں سوچنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی کسی کی سوچ نہیں پڑھ سکتا۔''

''چہرے کے تاثرات بھی بھید کھول سکتے ہیں'' یہ کہہ کر جمال نے دروازہ بند کر لیا۔

ذرا دیر بعد پانی کی آواز آئی تو نجم نے حیرت سے کہا ''یہ کیا؟ جمال تو وہاں سوچنے کے لیے گئے تھے۔''

''ان کی سوچیں شروع ہی سے ایسی ہیں کہ انجام کار فلش میں بہانی پڑتی ہیں'' شہریار نے کہا۔

''عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو'' فصاحت گنگنائے۔

''ہم بھی ہیں...... ہم بھی ہیں'' سب مل کر بولے ''آپ اکیلے نہیں ہیں۔''

جمال باہر نکلا تو ارشاد نے پوچھا ''اب بتاؤ، کیا سوچا؟''

''پتا نہیں'' جمال نے گھبرا کر کہا۔

''کس نتیجے پر پہنچے؟'' سعد نے پوچھا۔

'اس نتیجے پر کہ ایسی سوچوں کو فلش میں بہا دینا ہی بہتر ہے'' شہریار نے کہا۔

''تجھے تو میں دیکھ لوں گا بانگڑو'' جمال نے دانت پیس کر شہریار سے کہا۔

''اس وقت کیوں نہیں'' شہریار نے چیلنج کیا ''دیکھ لو۔ کیا خراب سوچوں کے نتیجے میں بینائی جلی گئی ہے۔''

جمال آستینیں چڑھا ہی رہا تھا کہ سعد نے ہانک لگائی ''بہتر ہے، آپ لوگ لڑائی کی کرسیاں لے کر لڑائی کے کمرے کا رخ کریں۔''

جمال دانت پیس کر رہ گیا مگر اس نے بدلہ اس وقت لیا جب شہریار سٹنگ روم میں کھڑا تھا ''اولمڈ ھک، یہاں کھڑا کیوں ہے؟'' اس نے للکارا۔

''میری مرضی...... یہ میرا گھر ہے'' شہریار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''مرضی نہیں چلے گی۔ اس گھر کا کوئی آئین، کوئی دستور بھی ہے'' جمال نے کہا ''یہاں تم کھڑے نہیں ہو سکتے۔ کھڑے ہونے کو جی چاہے تو باہر راہداری میں جاؤ۔''

شہریار نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ ''یارو، اس آئین پر بحث ہونی چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔ کانفرنس روم میں چلو۔''

مگر بات نہیں بنی۔ انہیں لان میں آنا پڑا جو فضولیات سمیت ہر قسم کی باتوں کے لیے مخصوص تھا۔ البتہ آئینی جھڑپوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

✿......✿......✿

بالآخر شادی ہوئی اور درشہوار در شہریار ہوگئی۔ شہریار کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو تین جان نثار دوست اچانک انہیں ملے تھے، درحقیقت اس کے سالے تھے لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اس کے ساتوں سالے اسے اپنی اکلوتی بہن سے زیادہ چاہتے تھے۔ وہ بڑے سے لے کر چھوٹے تک کے لیے، چھوٹے بھائی جان تھا۔ درشہوار بہت اچھی...... لیکن بہت کم سن تھی۔ ابتدائی تین دن میں شہریار کو شکایت ہوئی کہ وہ بولتی ہی نہیں، ہر وقت سہی سہی رہتی ہے۔

شادی کے اگلے روز شہریار نے درانی صاحب سے شکایت کی۔ ''چچا جان، ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔''

''کیسا دھوکا؟''

''ہمیں تو 22 سال بھی کم لگ رہی تھی مگر وہ تو صرف 19 کی ہیں۔''

''یہ پیچیدگی فیملی پلاننگ کے عدم توازن کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے'' درانی صاحب نے وضاحت کی ''اس کے نتیجے میں روایات اُلٹ گئیں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''نواب صاحب کے ہاں بیٹوں کی عمر کم کر کے اور بیٹی کی عمر بڑھا کر بتائی جاتی ہے'' درانی صاحب نے پوری تفصیل اور اس الٹ پھیر کی وجہ بتائی۔

''بہرحال، ہم مارے گئے۔ کبھی تو لگتا ہے کہ انہیں خوش کرنے اور ان کا جی بہلانے کے لیے ہمیں درباری مسخری کا رول کرنا برے گا'' شہریار نے کہا۔

''البتہ نواب صاحب کے ہاں شادی کی وجہ سے اب تم درباری مسخرے ہو جاؤ گے۔''

''چوتھے دن شہریار کو بیک وقت دو افتادوں سے واسطہ پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ بنیادی طور پر افتاد ایک ہے اور وہی دوسری افتاد کے لیے انسپائریشن کا سبب بنی ہے مگر وہ کر کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہوا یہ کہ اس دن سالار جنگ شق القمر کفالت کی کمان میں ایک سوزوکی نازل ہوئی۔ سوزوکی پر ایک چمچماتی ہوئی بالکل نئی ہنڈا ففٹی رکھی ہوئی تھی۔

''یہ کیا جناب؟'' شہریار نے دہل کر پوچھا۔

''یہ ہم آپ کے لیے تحفہ لائے ہیں'' شق القمر نے مسکرا کر کہا۔

''پہلے ہی تحائف کم نہیں ہیں۔ آپ لوگوں نے تو بغیر جہیز کے ہی ہمیں ندھال کر دالا۔''

''سب نے تحفے دیے تھے آپ کو۔ ہم باقی تھے'' شق القمر نے وضاحت کی پھر انہوں نے تفصیل سے بتایا۔ ساتوں بھائیوں کا کوئی نہ کوئی اپنا کاروبار تھا اور درحقیقت جو کچھ شہریار اور اس کی بیوی کو ملا، وہ جہیز نہیں تحائف تھے۔ نور البصر کی فرنیچر کی دکان تھی۔ تحت البشر کی الیکٹرونکس کی دکان تھی۔ روح الاثر ہاؤس ہولڈ آئٹمز کا کاروبار کرتے تھے۔ فوق البدر کا اپنا گفٹ سینٹر تھا...... وغیرہ وغیرہ۔ ''ہمارے پاس ہنڈا موٹر سائیکل کی ایجنسی ہے'' شق القمر نے بتایا۔ ''ہم نے سوچا ہم بعد میں تحفہ دے دیں گے۔ سو اب لے آئے۔''

''یہ دیکھنے کی ہے؟'' شہریار نے موٹر سائیکل کا معائنہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ یہ چلتی ہے؟''

''یہ خیال آپ کو کیوں آیا؟''

''سوزوکی کے کندھے پر چڑھ کر آئی ہے نا، اس لیے پوچھ رہے ہیں۔''

''آپ باتیں بہت پر لطف کرتے ہیں چھوٹے بھائی جان'' شق القمر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ''دراصل انجن نیا ہے۔ ایسے میں ایک خاص رفتار پر چلانا ضروری ہوتا ہے۔ شہر میں یہ ممکن نہیں۔ اس لیے اسے یہاں اسٹینڈ پر کھڑا کر کے چلائیں گے۔''

شہریار کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا مگر زیادہ تفتیش مناسب نہیں تھی۔ شق القمر نے موٹر سائیکل کو کھڑا کر کے اسٹارٹ کر دیا ''اب اسے چلنے دیں۔'' وہ بولے ''دو تین گھنٹے کے بعد ایک گھنٹے کا ریسٹ دے دیجیے گا۔ تین دن یہی کرتے رہیں، پھر آرام سے چلائیں۔''

''آرام سے چلائیں'' شہریار نے احتجاج کیا ''ہم نے آپ کی تین روزہ ہدایات پر بھی عمل نہیں کر سکتے۔ چلانی تو ہمیں آتی ہی نہیں۔''

شق القمر پھر ہنسے ''وہ ہم سکھا دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں اور یہ سسٹم بھی ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ یوں چابی گھمائی، گاڑی بند اور اسٹارٹ کرنی ہو تو کک لگائیں۔'' انہوں نے مظاہرہ کر کے کھایا۔

شہریار نے دلچسپی سے دیکھا ''ایڑھ لگانے کو کک لگانا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''یہی سمجھ لیں۔''

چنانچہ نئی موٹر سائیکل صدر دروازے کے باہر کھڑی مدھر آواز میں گنگنانے لگی۔ اس بے چاری کو پتا بھی نہیں تھا کہ وہ ایک بہت بڑی انسپائریشن کا سبب بن رہی ہے۔ بہرکیف شہریار کے خیال میں اس کی خاموش طبع بیوی نے موٹر سائیکل کا چیلنج قبول کر لیا اور یوں شروع ہوئیں کہ وہ بوکھلا گیا۔ پہلے دو گھنٹے تو شہریار یہی سمجھتا رہا کہ وہ وقتی ہیجان ہے، دب جائے گا۔ مزید دو گھنٹے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ محترمہ گونگی نہیں تھیں۔ گھر میں کچھ نہ کچھ بولتی رہی ہوں گی۔ اب یہاں کی تین دن کی خاموشی کی کسر نکال رہی ہیں۔ اس خیال کو یہ حقیقت بھی تقویت پہنچا رہی تھی کہ

وPUNCTUATION کا خیال بھی نہیں رکھ رہی تھیں۔ مگر نیند سے محروم پہلی رات گزار کر اسے شبہ ہونے لگا کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ اس وقت تک وہ لفظوں اور آواز سے لبالب بھر چکا تھا۔ اسے بار بار شبہ ہوتا تھا کہ اس کے کانوں میں لفظ گر رہے ہیں، آواز ٹپک رہی ہے اور اسے اپھارا ہو گیا ہے۔

''بی وی، آب ایک زباں داں گھر کی بیٹی ہیں'' بالآخر اس نے درشہوار کو ٹوک دیا ''آپکو تو گرامر اور کمپوزیشن میں کمزور نہیں ہونا چاہیے۔''

.......نے کہا کہ اپنے آپ کو شروع ہی میں منوالینا ورنہ ساری عمر پریشان رہوگی'' درشہوار کی رفتار ایسی تھی کہ جملہ پورا ہونے سے پہلے وہ رک ہی نہیں سکتی تھی۔ جملہ پورا کر کے اس نے شہریار کو حیرت سے دیکھا ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''اب یہی دیکھیں کہ گزشتہ رات سے ہم یہ جملہ کہنے کا موقع تلاش کر رہے تھے لیکن نہیں ملا...... بالآخر زبردستی کرنی پڑی۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''بی وی، میرا اشارہ پنکچویشن کی طرف ہے۔ گفتگو میں کوما......''

''اللہ نہ کرے، کوما تو اختتام موت پر ہوتا ہے'' درشہوار نے اس کی بات کاٹ دی۔''

''سبحان اللہ، آپ ہمیں بالکل ٹھیک ملی ہیں بیوی۔ ہمارے اعمال ہی ایسے تھے۔''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں'' وہ معصومیت سے بولی۔

''بیگم، ہم اسپتال والے کومے کی نہیں، گفتگو والے کومے کی بات کر رہے ہیں'' شہریار نے سر کے بال نوچتے ہوئے کہا ''ہم کہہ رہے تھے کہ گفتگو میں کوما، کولن، سیمی کولن، فل اسٹاپ وغیرہ بھی ضروری ہوتے ہیں۔''

''اوں ہوں، وہ تو انگریزی میں ہوتے ہیں اور میں اردو بول رہی ہوں۔''

''تو آپ ڈیش اور کوما کا خیال رکھیں۔'' شہریار نے بھنا کر کہا۔ ''عربی بول رہی ہوتیں تو ہم کہتے کہ وقف لازم کا خیال رکھیں اور گفتگو میں مناسب وقفوں سے آگے آیت تانکتی رہیں۔''

''ہٹیں نا، بہت شریر ہیں آپ'' درشہوار نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ''اب ایک جملے میں ڈیش اور کوما کہاں سے لگائیں۔ ساخت خراب کرنی ہے جملے کی۔''

''معاذ اللہ۔ آپ کا ایک جملہ بارہ گھنٹے پر محیط ہوتا ہے۔ اگر اس جملے کو سڑک سمجھ کر سالارِ اعظم اس پر موٹر سائیکل دوڑائیں تو وہ بھی تھب ہو جائے گی......راستے میں پیٹرول پمپ نہ ملنے کی وجہ سے۔''

''آپ مذاق بہت کرتے ہیں۔''

''بی وی، یہ مذاق نہیں'' شہریار نے کہا۔ اچانک اسے بائیک کا خیال آیا ''ارے ہم اسے جب کرانا بھول گئے، جو باہر کھڑی بول رہی ہے'' وہ جلدی سے اٹھا۔

درشہوار کے تیور بدل گئے ''کون ہے وہ؟''

''سالارِ جنگ کا تحفہ'' یہ کہہ کر شہریار باہر کی طرف لپکا۔

موٹر سائیکل تو خاموش ہو گئی لیکن درشہوار باہر آ گئی تھی۔ جملہ پھر شروع ہو گیا۔ شہریار گھبرا کر گھر سے ہی بھاگ لیا۔

✿......✿......✿

دوستوں کی محفل میں برادران نسبتی موجود نہیں تھے۔شہریار جب سے آیا تھا،اونگھے جا رہا تھا''ابے...... کیا یہاں سونے کے لیے آیا ہے؟''ارشاد نے اسے جھنجوڑا۔

شہریار نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی''کیا کروں،رات ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکا۔''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر کہہ رہا ہوں۔اعتدال سے کام لے گدھے،ورنہ عمر بھر سوتا ہی رہے گا''جمال نے کہا پھر سرد آہ بھرتے ہوئے ٹکڑا لگایا''سوتا ہی رہے گا،کھوتا ہی رہے گا۔''

''کون سی بے اعتدالی کی ہے میں نے؟''شہریار نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

''خود ہی تو کہہ رہا ہے کہ رات ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکا۔''جمال نے معصومیت سے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ کل اہلیہ کی زبان کھلی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ رات بھر بولتی رہیں۔سونے ہی نہیں دیا مجھے۔''

''دعا کر کہ آنے والے وقت میں بھابی کا ہاتھ بھی کھل جائے''سلیم بولا۔

''یہاں یہ مسخرہ بن ہوتا رہے گا''شہریار نے چڑ کر کہا۔

''بات یہ ہے کہ کل تک تمہیں برعکس شکایت تھی''جمال کے لہجے میں اس بار سنجیدگی تھی''تم کہتے تھے کہ بھابی بہت کم سخن ہیں۔بولتی ہی نہیں۔''

''میں کل بھی سچا تھا اور آج بھی سچا ہوں''شہریار نے سرد آہ بھری۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔یہ اچانک کیا ہو گیا۔''

''یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے''شہریار نے کہا''مگر یہ سچ ہے بھائی،وہ تو مشین بن گئی ہیں۔میں تو بس جان بچا کر بھاگا ہوں۔''

''ڈرامہ نہ کر''ارشاد نے ڈپٹ کر کہا''عورتیں تو بولتی ہی ہیں۔''

''بولتی ہیں مگر اتنا نہیں بولتیں۔''

''تجھے کیا معلوم۔تجھے پہلے کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا اور اگر یہ درست بھی ہے تو گزارہ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''یہ آخری بات سچ ہے۔''

''اور گھر کے آئینی معاملات کیسے چل رہے ہیں؟''سلیم نے پوچھا۔

''کون سے آئینی معاملات؟''شہریار کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

مگر یہ سن کر جمال اُچھل پڑا۔''وہ مارا''اس نے ہیجانی لہجے میں کیا''سمجھ لے کہ تیرا مسئلہ حل ہو گیا۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو یار!''

''میں بتاتا ہوں''جمال نے کہا اور شروع ہو گیا۔

✿......✿......✿

شہریار نے تختہ مشین کو بند کیا اور منکوحہ مشین کے پاس چلا گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی شروع ہوگئی۔ ''کہاں چلے گئے تھے آپ بھائی صاحب آئے تھے کافی دیر بیٹھے پھر چلے گئے کل آنے کا کہہ گئے ہیں ابا حضور بھی......''

''ایک منٹ رکیے بیگم!'' شہریار نے کہا اور بوکھلا کر کمرے سے بھاگا۔ ذرا دیر بعد وہ آیا تو اس کے ہاتھ میں رائٹنگ پیڈ اور پنسل تھی ''جی بیگم، اب شروع ہو جایئے پلیز۔ میں تیار ہوں'' اس نے پیڈ اور پنسل سنبھالتے ہوئے کہا۔

اور درشہوار نے بات وہیں سے شروع کی، جہاں بریک لگایا تھا۔ ''......آئے تھے امی حضور بھی ساتھ تھیں آپ کو بہت پوچھ رہے تھے بڑے بھیا نے فون کیا تھا چھوٹے بھیا کا سلام امی حضور لائی تھیں بھائی اور سادو بھائی کی طرف سے مجھے تشویش ہے کب سے نہیں آئے ہیں دونوں مگر امی کہہ رہی تھیں کہ خیریت سے ہیں ہماری دو سہیلیاں بھی آئی تھیں آپ انہیں جانتے نہیں ہیں ایک کا نام نائلہ ہے دوسری کا انیلہ ہے نائلہ ناظم آباد میں رہتی ہے......''

شہریار کی پنسل پیڈ پر چلے جا رہی تھی۔

''......انیلہ ہمارے پڑوس میں رہتی ہے اس کے امتحان شروع ہونے والے ہیں وہ بتا رہی تھی کہ ہماری سہیلی عظمیٰ بھی لندن سے آنے والی ہے خوب مزہ آئے گا سچ وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہوگی بہت پیاری سی کیوٹ سی لڑکی ہے اس کے ابا قالین کا کاروبار کرتے ہیں ان کا نام سندباد ہے ہے نا عجیب سی بات......''

شہریار نے پنسل اور پیڈ ہاتھوں سے چھوڑ دیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''کیا ہوا؟ سر میں درد ہو رہا ہے؟'' درشہوار نے ہمدردی سے پوچھا۔

''سر؟ کہاں ہے میرا سر؟'' شہریار دونوں ہاتھوں سے سر ٹٹولنے لگا ''ارے، میرا سر کہاں گیا؟''

''کیا ہو رہا ہے آپ کو؟'' وار شہوار روہانسی ہوگئی۔

''یہ ہو رہا ہے مجھے'' شہریار نے اسے پیڈ دکھاتے ہوئے کہا۔ پیڈ پر وہ سب کچھ لکھا ہوا تھا جو درشہوار بولتی رہی تھی۔

مگر درشہوار نے پیڈ کو نہیں دیکھا۔ وہ تشویش آمیز نظروں سے شہریار کو دیکھ رہی تھی ''یہ میں بعد میں دیکھوں گی پہلے بتائیں آپ کو کیا ہو رہا ہے ٹھیک تو ہیں آپ؟''

''میرے جسم میں بنکویشن کی DEFICIENCY ہوگئی ہے'' شہریار نے کراہتے ہوئے کہا ''اس کے نتیجے میں اندرونی اعضا کشش ثقل سے محروم ہو کر آپس میں یوں گڈمڈ ہوگئے ہیں کہ کسی کو الگ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ میری سمجھ میں خود بھی نہیں آتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ سر میں درد گردہ کا کیا کام؟''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' درشہوار جھنجلا گئی۔

''آب بید دیکھیں بیگم!'' شہریار مزید کراہا ''یہ جو میں نے لکھا ہے، آپ کا نامکمل اور مختصر جملہ ہے جسے میں نے دو قطع کیا ہے اب ذرا اس میں ولیش اور کومے وغیرہ لگا کر دیکھیں تو میرے دل کو قرار آئے۔''

''پھر مذاق کرنے لگے آپ؟''

''مذاق کیسا...... یہ تو بے حد سنگین معاملہ ہے اور آخری بار میں نے آپ کو گھبرا کر روکا ہے کہ کہیں اس ایک جملے اور اسی ایک سانس میں آپ سندباد جہازی کے ساتوں سمندری سفرنامے بھی نہ سنا دلیں۔ میں لانگ ہینڈ میں اتنا زیادہ نہیں لکھ سکتا۔''

''آپ مجھے ستا رہے ہیں۔''

''میری یہ مجال کہاں۔ میں تو خود عاجز ہوں مگر سوچتا ہوں کہ اب جو آپ نے مہلت عطا فرمائی ہے تو اس سے استفادہ بھی کر لوں'' شہریار نے جلدی سے کہا ''میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں بیگم۔ مگر بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور لان میں بیٹھیں گے۔''

''چلیں'' درشہوار اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں لان میں چلے آئے ''اس سے پہلے کہ آپ اپنی سہیلی عظمیٰ کے والد سندباد کے سفرناموں کے بیان کے سلسلے میں اپنا نامکمل اور گزشتہ سے پیوستہ جملہ جاری فرمائیں، میں وہ اہم بات آپ سے پوچھ لوں۔''

''جی پوچھیں۔''

''وہ میں نے ایک حقیری منہ دکھائی دی تھی آپ کو؟''

درشہوار ہنسنے لگی ''آپ سچ مچ بہت شریر ہیں۔ ہم تو بہت ہنسے تھے وہ پڑھ کر۔''

''یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے'' شہریار نے کہا ''وہ سامنے بورڈ دیکھیں۔''

ضابطہ حیات کا بورڈ پڑھ کر درشہوار اور ہنسی ''ہمیں آپ کی زندہ دلی بہت اچھی لگی ہے۔''

''مگر میرا دل مردہ ہوتا جا رہا ہے'' شہریار نے آہ بھر کے کہا۔ ''اور یہ ضابطہ حیات گھر کا آئین ہے۔ مجھے، آپ کو اور سب وزیٹرز کو آئین کی پاس داری کرنی ہے۔''

اچانک درشہوار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...... شہریار بوکھلا گیا۔ ''ارے...... ارے...... یہ کیا......'' اس نے ہاتھ لگانا چاہا تو درشہوار نے ہاتھ جھٹک دیا ''بتائیں تو...... کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟''

''آپ ہمارے بولنے پر پابندی لگانا چاہتے ہیں'' درشہوار نے سسکیوں کے درمیان کہا ''ہم تو رو رو کر جان دے دیں گے۔''

شہریار اور بوکھلا گیا ''میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ جملوں کی طوالت ذرا کم کریں۔ اس سے کہانی درائی ہوتی ہے۔ دوسرے ذرا پنکچویشن کا خیال رکھیں۔''

درشہوار کے گریے میں اور شدت آ گئی ''بات وہی ہے۔ کان یوں پکڑیں یا یوں......''

''میں دونوں طرح سے کان پکڑنے کو تیار ہوں۔ آپ بس گریہ وزاری موقوف کر دیں'' شہریار گھگھیایا۔

خاصی دیر کی خوشامد کے بعد وہ بیوی کو منانے میں کامیاب ہو گیا۔ درشہوار کی یہ ایک خوبی بھی سامنے آئی کہ اس کا دل فوراً ہی صاف ہو جاتا تھا۔ درحقیقت وہ معصوم بچوں کی طرح تھی۔ فوراً ہی وہ ہنسنے بولنے لگی لیکن ہنسنے اور بولنے میں وہ نسبت تھی جو آٹے اور نمک میں ہوتی ہے۔

''اب ہم کم...... بہت کم بولا کریں گے اور یہ بھی ٹھیک ہے ہم گھر کے آئین اور ضابطہ حیات کی پاس داری کریں گے یہ تو بہت اچھا ہے زندگی میں ترتیب و تنظیم آئے گی اس سے ڈسپلن پیدا ہو گا ہاں تو ہم بات کر رہے تھے انکل سندباد غیر جہازی کی......'' یہ منائے جانے کے بعد اس کے پہلے مختصر جملے کا آغاز تھا۔

شہریار نے جلدی سے پھر پیڈ اور پنسل سنبھالی اور مشین بن گیا۔ مشین کے مقابلے میں آدمی کو مشین ہی بننا پڑتا ہے۔

✿......✿......✿

''ابے لدھڑ، تو پھر سو گیا یہاں آ کر؟'' جمال نے شہریار کو جھنجھوڑ ڈالا۔

شہریار نے بمشکل آنکھیں کھولیں ''یار کیا کروں، رات ایک لمحے کے لیے نہیں سو سکا۔''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا.....'' جمال نے اسٹارٹ لیا۔

''نام نہ لینا بے اعتدالی کا'' شہریار نے گرج کر اس کی بات کاٹ دی ''ابے گدھے، میرے نصیب میں تو اعتدال بھی نہیں بے اعتدالی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''اچھا اٹھ کر تو بیٹھ جا'' سلیم نے کہا ''پاؤں پسارے ڈھیر ہوا پڑا ہے۔''

''نہیں اٹھ سکتا۔ میں تو اس پر بھی احتجاج نہیں کر سکتا کہ تم نے ایک چھوٹے سے جملے میں اتنی کثرت سے کریہہ الصوت حروف استعمال کیے ہیں'' شہریار نے دردناک لہجے میں کہا۔

''ہوا کیا ہے تجھے؟'' ارشاد نے پوچھا۔

''مجھے آئین کی مار پڑی ہے۔''

''بھائی، تجھے کل ترکیب بتائی تھی، اس پر عمل نہیں کیا؟'' جمال نے پوچھا۔

''کیا تھا۔''

''تو پھر رات بھر سویا کیوں نہیں؟ آئین کے تحت بھابی بیڈروم میں نہیں بول سکتیں۔''

''ہم پوری رات ٹاکنگ روم میں رہے'' شہریار کا لہجہ اور دردناک ہو گیا۔

''یعنی لان میں؟'' جمال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں بھائی۔ یہی نہیں، رات بھر میں مجھے میلوں پیدل چلنا پڑ گیا۔ ٹانگیں اکڑ کر تختہ ہو گئیں میری۔''

''ابے کیا معموں میں باتیں کر رہا ہے'' ارشاد نے جھنجلا کر کہا ''پوری رات لان میں رہا اور میلوں پیدل بھی چلا، یہ کیسے ممکن ہے؟''

''میں بیگم کو سمجھا بجھا کر بیدروم میں لے جاتا تھا.....''

''ورغلا کر کہہ نا'' جمال بدمعاشی سے ہنسا۔

شہریار میں واقعتاً احتجاج کی طاقت بھی نہیں تھی۔ وہ اپنی کہتا رہا ''وہاں ایک ڈیڑھ منٹ میں ان کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر پھر لان کی طرف چل دیتی تھیں۔ وہاں ان کی سن سن کر میرا دم گھٹنے لگتا تھا تو میں لان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک چہل قدمی کرتا تھا اور آدھے گھنٹے بعد پھر انہیں سمجھا بجھا کر......''

''ورغلا کر بیڈروم میں لے جاتا تھا'' جمال نے پھر ٹکڑا لگایا۔

شہریار بے نیازی سے کہتا رہا ''رات بھر پریڈ ہوتی رہی......''

''دو کریہہ الصوت حرف چار حرفی لفظ میں!'' سلیم نے احتجاج کیا۔

''پریڈ کہہ لو'' جمال نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''اللہ جھوٹ نہ بلوائے۔ کوئی بیس چکر ہم نے بیدروم اور لان کے درمیان لگائے اور لان میں، میں الگ میلوں پیدل چلا'' شہریار نے کراہتے ہوئے کہا ''لان میں مچھروں نے بھی تواضع کی۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے ملیریا ہو گیا ہے'' پھر اس نے سرد آہ بھر کے بڑی حسرت اور تاسف سے کہا ''اس سے تو وہ بیدروم ہی اچھا تھا کم از کم لیٹ کر جاگ لیتا تھا میں۔''

''تو آئین میں ترمیم کر لے'' ارشاد نے مشورہ دیا۔

''میں نے تجویز پیش کی تھی'' شہریار نے جواب دیا ''انہوں نے مسترد کر دی۔ کہنے لگیں کہ دلہن بہت اچھی چیز ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ گھر میں

طوائف الملو کی بھیلے۔''

''یہ بھابی نے کہا تھا......طوائف الملو کی؟''

''نہیں، جو کچھ کہا تھا، اس کا مفہوم یہی ہے۔ مختصر یہ کہ دو تہائی اکثریت کے بغیر میں آئین میں ترمیم نہیں کرا سکتا۔''

''یہ تو آٹھویں ترمیم والا کیس ہے۔'' جمال نے کہا ''پہلے تو بیٹے کی ولادت کے لیے کوشش اور دعا کر کہ جب بیٹا پیدا ہو جائے تو اسے مٹھی میں لینے کی کوشش کر۔ مگر اس میں کم از کم آٹھ سال لگیں گے۔''

''اور اس دوران میں تجھے لان میں رات رات بھر جاگنا، سننا اور ٹہلنا پڑے گا'' ارشاد بولا۔

''اور تو ملیریا کا دائمی مریض ہو جائے گا'' سلیم نے کہا۔

''یارو...... کچھ کرو'' شہریار نے فریاد کی۔

''یہی ایک صورت ہے بچت کی کہ تو سننے والا جانور بننے سے بچنے کے لیے سوچنے والا جانور بن جا'' جمال نے خاصے غور و خوض کے بعد مشورہ دیا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جب بھی امان درکار ہو، تھنکنگ روم کا رخ کیا کر۔''

''ترکیب تو اچھی ہے مگر بدبو سے دماغ بھٹ جائے گا۔''

''بدبو سے بچنے کے لیے روغن برگ ببول خشک ترین استعمال کر۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''تیری سوچیں بدبودار نہیں رہیں گی۔''

''میں تھنکنگ روم کی بدبو کی بات کر رہا تھا'' شہریار نے بھنا کر کہا ''میری سوچیں بدبودار نہیں ہیں۔''

''تو پانی بہایا کر میرے بھائی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

✿......✿......✿

درشہوار سانس لینے کے لیے رکی تو شہریار نے مرے مرے لہجے میں کہا ''اندر چلیں......گھر میں۔''

''یہ بھی گھر ہی ہے۔ دیکھیں تو کیسی پیاری ہوا چل رہی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس بھی بہت اچھی لگ رہی ہے ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی؟''

''آپ خاموشی کے فوائد بیان کر رہی تھیں۔''

''ناممکن۔ البتہ خاموشی کے نقصانات پر میں بارہ گھنٹے تقریر کر سکتی ہوں۔''

''بس، بہت ہوگئی'' شہریار نے کڑک کر کہا ''کرسی اٹھاؤ اور لڑائی کے کمرے میں چلو۔ میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔''

''مگر میں لڑنا نہیں چاہتی اور لڑنے کے لیے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری ہے۔''

''ایک بات بتائیے، پہلے تین دن آپ بالکل نہیں بولیں، کیوں؟''

''میں آپ سے مرعوب......بلکہ خوف زدہ تھی'' درشہوار نے جواب دیا۔

''مرعوب......؟ خوف زدہ؟ مجھ سے......!؟''

''گھر میں ہمیشہ باتیں ہوتی رہتی تھیں اور ہم چپکے چپکے سنتے اور لرزتے تھے۔ ابا حضور کا داماد کے سلسلے میں عجیب تصور تھا۔ خاندانی ہو، سادہ پرکار ہو۔ منکسر المزاج ہو مگر جلالی ہو۔ جاہ و حشم والا ہو۔ بے شک بھاری بھرکم نہ ہو اور نہ جانے کیا کیا صفات تھیں۔ بنیادی طور پر ہمیں بے فکری ہوگئی کہ ابا

حضور نے ہمیں ہمیشہ کے لیے شادی سے محفوظ فرما دیا ہے لیکن کبھی کبھی ڈر بھی لگتا تھا کہ اگر کوئی اس قسم کا مل گیا تو......؟ عمر قید کی سزا ہوگی وہ تو۔''

''پھر؟''

''جب سنا کہ آپ مل گئے ہیں تو ہم تو دہل گئے۔ بے خوفی ختم ہوگئی اور مسلسل خوف طاری ہوگیا۔ ابا جان جو نقشہ کھینچتے تھے تو ہمیں ہٹلر کا خیال آتا تھا۔ تاریخ طے ہونے کے بعد ہم نے عافیت کی دعاؤں کے سوا کچھ نہیں کیا۔ سوچتے تھے اور لرزہ چڑھتا تھا۔''

''بہت اچھا ہوتا تھا۔ اب کیوں نہیں ہوتا؟'' شہریار نے پوچھا۔

''کیسے ہوگا؟'' آپ تو اتنے پیارے آدمی ہیں۔''

''یہ تو میں نے نقاب اوڑھی ہوئی ہے'' شہریار نے لہجے کو ڈراؤنا بنانے کی کوشش کی ''درحقیقت میں ہٹلر ہی ہوں۔ کسی بھی وقت اپنا اصل روپ دکھادوں گا۔''

''اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اب ہم ڈرنے والے نہیں'' درشہوار نے ہنستے ہوئے کہا پھر چونک کر بولی 'بھائی صاحب کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ کل آئیں گے موٹر سائیکل رواں ہوگئی ہوگی کل سے وہ آپ کو بائیک چلانا سکھائیں گے۔''

''اللہ رحم فرمائیے۔ مجھے بہت ڈرلگتا ہے بائیک سے۔''

''ہمیں تو بہت اچھی لگتی ہے آپ کے ساتھ گھومنے چلا کریں گے۔''

''بھلے خود ہم تو گھوم لیں۔''

''دیکھیں گے'' یہ کہہ کر درشہوار نے پھر اپنا ایک مختصر جملہ شروع کیا۔ پانچ منٹ بعد اسے احساس ہوا کہ شہریار اونگھ رہا ہے۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے اپنے جملے کو توقف دے کر دریافت کیا۔ ''آپ کہاں کھو گئے؟''

''دراصل ہم کچھ سوچ رہے ہیں۔''

''یہ آئین کی خلاف ورزی ہے۔ سوچنے کے لیے الگ کمرا ہے۔''

''سوری بیگم!'' شہریار نے بے حد خوش ہو کر کہا ''ہم تھنکنگ روم جا رہے ہیں۔''

❁.......❁.......❁

اگلے روز سالارِ جنگ موٹر سائیکل چلانا سکھانے کے لیے آگئے!

''یہ تو بہت ہی آسان کام ہے چھوٹے بھائی جان'' انہوں نے تھیوری سے اسٹارٹ لیا ''آج کل تو چھوٹے بچے بھی موٹر سائیکل چلا لیتے ہیں۔''

''یہ تو کوئی دلیل نہ ہوئی۔ چھوٹے بچے تو ہر کام بہت آسانی سے کر لیتے ہیں۔'' شہریار نے اعتراض کیا ''ہم نے بچوں کو اس بم سے کھیلتے بھی دیکھا ہے جو پھٹنے والا ہو۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے ڈرتے بھی نہیں۔''

''یہ بم نہیں ہے'' سالارِ جنگ نے یقین دلانے والے انداز میں کہا ''سیکھ لیں گے تو آپ اسے اڑائے اڑائے پھریں گے۔''

''ہمیں یقین ہے کہ یہ ہمیں اڑائے پھرے گی۔''

سالارِ جنگ خوب ہنسے ''ایک ہی بات ہے۔ بس انجام پر نظر رکھیے۔''

''اسی سے تو ڈر رہے ہیں۔''

''آپ اسے گھوڑا ہی سمجھ لیں۔''

''سمجھ لیا۔ اب بھلے یہ بتائیں کہ ایک کلو گھاس میں یہ کتنے میٹر دوڑے گی؟''

سالارِ جنگ پھر ہنسنے لگے ''آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں چھوٹے بھائی جان!'' انہوں نے کہا ''یہ گھوڑا گھاس نہیں کھاتا۔ پٹرول پیتا ہے۔''

''اچھا، یہ خراب بھی ہوتی ہوگی؟'' شہریار نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''خیال رکھا جائے تو نہیں ہوگی......''

''یعنی گھوڑے کی طرح مالش وغیرہ کی جائے؟''

''نہیں بھئی، اس کی سروس باقاعدہ کراتے رہئے۔ تیل پانی کا خیال رکھیے......''

''آپ شاید جائے باتی کہنا چاہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس میں پولیس والوں، کسٹم والوں اور انکم ٹیکس والوں کی خصوصیات ہیں۔''

''میں تیل پانی ہی کہہ رہا ہوں'' سالار جنگ ذرا بدمزہ ہوئے۔

''اچھا، یہ خراب ہوگئی تو کیا ہوگا؟''

''اس کا کان پکڑ کے کسی سروس اسٹیشن لے جانا ہوگا۔''

''گھوڑے کے معاملے میں بھی یہی کرنا پڑتا ہے'' شہریار نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''اور اگر گھوڑے میں کوئی بہت بڑی خرابی واقع ہوجائے تو؟'' سالار جنگ نے سوال اُٹھایا۔

''سوار کو جیب میں پستول رکھنا پڑتا ہے۔ بس ایک گولی چلائی اور باقی کام میونسپل کارپوریشن کا۔ اب آپ موٹر سائیکل کے بارے میں بتایئے۔''

''اس میں بڑی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ یہ بہت دیرپا ہے۔ خرابی سوار میں واقع ہوتی ہے۔ ٹکر کی صورت میں بائیک سلامت رہتی ہے۔ البتہ سوار گزر جاتا ہے۔ لیکن باقی کام یہاں بھی میونسپل کارپوریشن ہی کا ہوتا ہے۔''

''نہیں جلے گی'' شہریار نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''آپ نے اس کا موزانہ گھوڑے سے کر کے گھوڑے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ہم سواری کو لاد کر چلنے کے قائل نہیں۔''

سالار جنگ نے اسے بدکتے دیکھا تو جلدی سے بولے ''اس کی افادیت کے متعلق میں بعد میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ فی الحال اس کی اناٹومی سمجھ لیجیے۔''

''اناتومی؟''

''جی علم الابدان'' سالار جنگ مربیانہ انداز میں مسکرائے۔ ''دیکھیے ...... یہ اس کا ہینڈل ہے۔ موڑنے کے کام آتا ہے۔''

''باگیں کہیے نا۔''

''جی...... جی ہاں۔ اور یہ کک ہے اسے ماریں گے تو یہ اسٹارٹ ہوگی۔''

''سالار جنگ اسے مختلف چیزوں کے بارے میں بتاتے رہے۔ ''اب آپ سیٹ پر بیٹھیے'' اناٹومی کا لیکچر مکمل کرتے ہی انہوں نے فرمائش کی۔

''یعنی کاٹھی پر تشریف رکھوں؟''

''جی ہاں۔''

''شہریار نے اپنے طور پر بائیک کی نعل میں پاؤں پھنسانا چاہا مگر وہاں صرف پاؤں رکھنے کی گنجائش تھی۔ پاؤں رکھ کر وہ گھوڑے پر سوار ہونے کے انداز میں اُچھلا مگر موٹر سائیکل گھوڑے کے مقابلے میں بونی تھی۔ وہ توازن قائم نہ رکھ سکا اور خاصی بلندی سے موٹر سائیکل کی سیٹ پر گرا۔ موٹر سائیکل اسے لے کر ڈھیر ہوگئی۔ سالار جنگ نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔

''یہ نعل ٹھیک نہیں ہے اس کی'' شہریار نے شکایت کی ''اسے درست طور پر نعل کی شکل نہیں جاسکتی؟''

''اس کے بعد آپ فرمائیں گے کہ یہ بہت نیچی ہے۔ اسے اونچا کروایا جائے۔''

''جی، میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ اگر اس میں ٹرالر کے پہیے لگا دیے جائیں تو یہ اونچی ہوجائے گی۔''

''مگر پھر یہ موٹر سائیکل نہیں رہے گی'' سالار جنگ نے بدمزگی سے کہا ''آپ ٹھیک طرح سے بیٹھیں تو۔''

جیسے تیسے شہریار بیٹھ گیا۔ ''اب دونوں ہاتھوں سے ہینڈل...... میرا مطلب ہے، باگیں تھامئے۔''

شہریار نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ اچانک سالار جنگ چلائے ''یہ کیا کر رہے ہیں چھوٹے بھائی جان۔ اپنی طرف نہ کھینچیں۔''

''باگیں ڈھیلی چھوڑیں تو گھوڑا جل برے گا۔'' شہریار نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں چلے گا، کک کے بغیر نہیں چلے گا'' سالار جنگ نے یقین دلایا ''اب آپ کک...... میرا مطلب ہے ایڑھ لگائیں۔''

شہریار نے نیچے کے بجائے موٹر سائیکل کے پہلو کی جانب کک لگائی اور فوراً ہی بلبلا کر چیخا۔

''کیا ہوا؟'' سالار جنگ نے گھبرا کر پوچھا۔

''میرا ٹخنہ'' شہریار چلایا۔ سالار جنگ نے معائنہ کیا تو پتا چلا کہ ٹخنہ سوج رہا ہے۔ غالباً اتر گیا تھا۔

سالار جنگ نے خاصی مشقت کے بعد اسے بائیک سے اتارا۔ مگر شہریار سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایڑھ لگانے میں ہمارا ٹخنہ اترا ہو'' اس نے فریاد کی۔

سالار جنگ گود میں اٹھا کر اسے اندر لے گئے۔ اسے بستر پر لیٹانے کے بعد انہوں نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ ''مشکل ہے چھوٹے بھائی جان۔ پہلے آپ کے اندر سے...... میرا مطلب ہے، نیچے سے گھوڑا نکالنا پڑے گا۔ تبھی آپ بائیک چلا سکیں گے۔''

''ہمارے بس کی نہیں ہے'' شہریار نے جھنجلا کر کہا۔

''دیکھیں گے۔''

سالار جنگ چلے گئے۔ اس روز گھر کی اسمبلی میں متفقہ طور پر ایک ہنگامی قرارداد منظور کی جس کے تحت آئین کو تاحکم ثانی معطل کر دیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ شہریار کے لیے نقل و حرکت کرنا بالکل ناممکن ہو گیا ہے۔ اگلے روز سعد الظفر اور نجم السحر عیادت کے لیے آئے ''یہ کیا ہوا؟''

''یہ سب اس منحوس بائیک کا کیا دھرا ہے'' شہریار نے فریاد کی۔ ''ہم اسے نہیں چلا سکتے۔ ہاں، وہ ہمیں ضرور چلا دے گی۔''

''تو پھر؟'' سعد الظفر نے سوال اٹھایا۔

''ہم اسے ہرگز ہرگز نہیں رکھیں گے، واپس کر دیں گے۔''

''یہ تو بہت بری بات ہو گی'' نجم السحر نے تشویش سے کہا۔ ''بھائی صاحب کے لیے تو بڑی بے عزتی کی بات ہو گی۔''

''یہ تو ہے مگر ہم مجبور ہیں۔''

''نہیں چھوٹے بھائی جان۔ کوئی اور حل نکالیں اس مسئلے کا۔''

ذرا سوچنے کے بعد شہریار نے کہا ''ایک ہی حل ہے۔ ہمیں موٹر سائیکل کے لیے ڈرائیور رکھنا پڑے گا۔''

''آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں'' سعد بولا۔

''اب اور دلچسپ ہو جائیں گے'' شہریار نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ویسے ڈرائیور کے معاملے میں ہم سنجیدہ ہیں۔''

''تو رکھ لیجیے ڈرائیور'' نجم السحر نے کہا۔

''ہم اس کی تنخواہ کے متحمل نہیں ہو سکتے'' شہریار نے گھبرا کر کہا۔

''اس کی آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ جس نے موٹر سائیکل دی ہے، وہی ڈرائیور کو تنخواہ بھی دے گا۔''

''آپ کا اشارہ اللہ میاں کی طرف ہے؟''

''جی نہیں۔ میں بھائی صاحب کی بات کر رہا ہوں۔ آپ اشتہار لکھ دیں۔ میں اخبار میں شائع کرا دوں گا'' سعد الظفر نے کہا۔

✿......✿......✿

تین دن بعد اخبار میں اشتہار چھپا......

ہمیں اپنی ہنڈا ففٹی موٹر سائیکل کے لیے ایک ماہر، مستعد اور چاق و چوبند ڈرائیور کی ضرورت ہے۔ معقول تنخواہ کے علاوہ ناشتا اور کھانا بھی دیا جائے گا۔ رہائش کا انتظام بھی کیا جا سکتا ہے۔ لائسنس رکھنے والے حضرات اپنی تمام اسناد سمیت مندرجہ ذیل پتے پر رجوع فرمائیں......

چار دن ہو گئے مگر اشتہار کے جواب میں کوئی نہیں آیا سعد الظفر نے اشتہار دوبارہ چھپوا دیا۔

''چھوٹے بھائی جان، ہمیں ادھر ادھر بھی بات کرنی چاہیے اس سلسلے میں'' نجم نے تجویز پیش کی۔

آپ بھی اپنے حلقہ احباب میں کہہ دیں'' شہریار نے کہا'' ہم بھی دیکھیں گے۔''

شہریار نے اپنے دوستوں کی محفل میں ''ڈرائیور کی ضرورت ہے'' کا اشتہار نشر کیا تو وہاں طوفانِ بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ شہریار کی سمجھ میں ''جتنے منہ اتنی باتیں'' کا مفہوم اس دن آیا۔ سب سے پہلے تو سلیم نے کہا'' اخبار میں اشتہار دے بھائی۔''

شہریار نے جیب سے دونوں تراشے نکال کر احباب کی خدمت میں پیش کر دیے ''لو بھئی معاملہ سیریس ہے۔'' ارشاد نے اشتہار پڑھ کر کہا۔

''تو کیا میں مذاق کر رہا تھا'' شہریار نے برا مانتے ہوئے کہا۔

''بھول چوک ہو جاتی ہے یار۔ معاف کر دے۔ تیری صورت ایسی ہے کہ ایک خاص زاویے سے عقل مند لگتا ہے'' جمال بولا۔

''اس اشتہار کے جواب میں کوئی ایک امیدوار بھی تو نہیں آیا'' شہریار نے شکایت کی۔

''دراصل موٹر سائیکل کی پروفیشنل ڈرائیونگ کا دور ابھی شروع نہیں ہوا ہے'' ارشاد نے اسے مطلع کیا۔

''دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ بھائی کہ تو قبل از وقت پیدا ہو گیا ہے۔'' جمال نے تبصرہ کیا۔

''یارو، کچھ کرو۔ ورنہ وہ تحفہ سالارِ جنگی ہمیں تباہ کر دے گا'' شہریار گڑگڑایا۔

بہت دیر تک وہ ان کی خوشامد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر جمال کا دل پسیج گیا'' ٹھیک ہے یار، کچھ کریں گے۔''

''مگر بات ایسی شرم ناک ہے کہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے۔ عزت دو کوڑی کی ہو کر رہ جائے گی۔ ذرا سوچو تو، موٹر سائیکل کے لیے ڈرائیور!''

سب سر جوڑ کر سوچتے رہے بالآخر جمال نے کہا'' تفضل سے بات کریں گے۔ وہ ایسے بے تکے کام خوب کرتا ہے۔''

''یہ ٹھیک ہے۔ وہ ڈھیٹ اتنا ہے کہ ہر جاننے والے سے یہ کہتا پھرے گا اور اسے شرم بھی نہیں آئے گی'' سلیم بولا۔

شہریار میں برا ماننے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

❁......❁......❁

دو ہفتے اور گزر گئے۔ شہریار کی چھٹیاں بھی ختم ہو چکی تھیں۔ ایک دن شام وہ درشہوار کے ساتھ ٹی روم میں تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ اس نے جا کر گیٹ کھولا تو ایک دبلا پتلا دراز قد شخص کھڑا تھا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی ''جی فرمائیے!'' شہریار نے کہا۔

''سر، میں ملازمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

''شہریار اسے اندر لے گیا۔ اس نے کانفرنس روم کا دروازہ کھولا'' کاروباری گفتگو تو یہیں ممکن ہے'' اس نے کہا'' آپ یہاں انتظار فرمائیے۔ میں چائے پی رہا تھا۔ اسے نمٹا کر آتا ہوں۔ چائے کانفرنس روم میں نہیں پی جا سکتی'' پھر اسے کچھ خیال آیا'' چائے پئیں گے آپ؟ ہلیں تو ٹی روم میں چلے چلیں۔''

''میں یہیں بہتر ہوں سر!''

شہریار نے جلدی جلدی چائے حلق میں انڈیلی'' اتنی جلدی کیا ہے؟ درشہوار نے پوچھا۔

''ایک امیدوار آیا ہے۔اس کا انٹرویو کرنا ہے۔نکل نہ بھاگے کہیں۔''

شہریار کانفرنس روم میں پہنچا۔انٹرویو شروع ہوا''تمہارا نام کیا ہے؟''

''اللہ دتا!''

''کیا کرتے ہو؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''ڈرائیونگ کا تجربہ کتنا ہے؟''

''پندرہ سال سر؟''

''کیا چلاتے رہے ہو؟''

''پہلے ٹرک چلایا سر پھر ٹرالر۔''

شہریار سن کر سخت مرعوب ہوا''پھر تو یہ تمہاری تنزلی ہوگی ایسا کیوں؟''

''بس سر، بیوی سے لائٹ میں آنا چاہتا ہوں۔''

''موٹر سائیکل چلانے کا تجربہ کتنا ہے؟''

''ذرا بھی نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''بہت دن سے بیکار تھا۔تجمل صاحب نے کہا، ہنڈا 50 چلانا سیکھ لے۔ملازمت مل جائے گی۔''

''تم ہمیشہ سچ بولتے ہو؟''

''جی نہیں سر۔۔۔سچ کو ہمیشہ سچ ہی کہتا ہوں۔''

شہریار کا سر پیٹنے کو جی چاہا مگر اس نے ضبط کر لیا۔کفرانِ نعمت سے ڈر لگ رہا تھا''اچھا تو اب ہنڈا ففتی چلا لیتے ہو؟''

''جی ہاں جی۔ٹرائی لے کر دیکھ لیں۔''

''عمر کتنی ہے تمہاری؟''

''پاکستان بنے ہوئے ساڑھے تین سال ہوئے تھے تو میں پونے پانچ سال کا تھا سر جی!''اللہ دتا نے وثوق سے بتایا۔

شہریار نے حساب لگایا تو اس کی عمر 42 بنی''لیکن بجا س سے کم کے نہیں لگتے''اس نے کہا۔

''کچھ اور دن اور بے روزگار رہا تو ساٹھ کا لگنے لگوں گا سر جی۔بڑی آس لگا کر آیا ہوں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔کل صبح نو بجے آ جانا۔ٹرائی لیں گے تمہاری''شہریار کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ مسلسل اور طویل انٹرویو کی پہلی قسط ختم ہوئی ہے۔

✿.....✿.....✿

اگلے روز اللہ دتا کی پہلی بڑی خوبی سامنے آئی۔وہ پابندی وقت کا عادی تھا۔ٹھیک نو بجے پہنچ گیا۔وہ بہت شاندار اور نفیس بش کوٹ اور پینٹ پہنے ہوئے تھا۔آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ تھا۔اس وقت وہ چالیس کا بھی نہیں لگ رہا تھا۔شاید روزگار کی امید نے عمر کے کچھ برس جھاڑ دیے تھے۔شہریار اس وقت بھی ٹی روم میں تھا۔درشہوار نے آ کر کہا''وہ ڈرائیور آیا ہے آپ کا۔میں نے اسے لان میں بٹھا دیا ہے۔''

''یہیں لے آتیں''شہریار نے بڑے سکون سے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''وہ چائے سے انکاری ہے''درشہوار نے سادگی سے کہا''اور وہ جس سج دھج سے آیا ہے، ڈرائیور نہیں لگتا۔''

چائے کی پیالی خالی کر کے شہریار لان کی طرف نکل گیا۔ اللہ دتا لان کے سامنے کھڑی موٹر سائیکل کا جائزہ لے رہا تھا۔ شہریار کو دیکھتے ہی اس نے بڑے ادب سے اسے سلام کیا اور بائیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''بالکل نئی لگتی ہے سر جی!''

شہریار کی جان جل گئی ''یہ بالکل نئی ہے۔ بس یہاں کھڑے کھڑے جلتی رہی ہے۔''

''یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔''

''چلو، اب ترائی لیں تمہاری۔''

''آپ تشریف لے چلیں سر جی۔'' میں موٹر سائیکل کو باہر لے آتا ہوں۔''

''کیوں...... یہاں اسٹارٹ نہیں ہو سکتی؟'' شہریار نے اسے مشتبہ نظروں سے دیکھا۔

''ہو تو سکتی ہے سر جی۔ لیکن میں دراصل ہیوی ڈیوٹی ڈرائیور ہوں۔ بند اور تنگ جگہوں میں ڈرائیو کرنے سے گھبراتا ہوں۔''

شہریار باہر نکل گیا۔ باہر لڑکے ٹینس کی گیند سے کرکٹ میچ کھیل رہے تھے۔ چند لمحے بعد اللہ دتا موٹر سائیکل باہر لے آیا۔ ''چلیں سر جی!'' اس نے پھر اچانک کہا ''سوار ہونے کی دعا یاد ہے آپ کو؟''

''کیوں بھئی، کوئی خطرہ ہے کیا؟'' شہریار بدکا۔

''دعا تو خیر و برکت اور عافیت کے لیے ہوتی ہے سر جی۔ آپ کو نہیں یاد تو کوئی بات نہیں، میں پڑھ لوں گا۔''

شہریار کا بھاگ جانے کو جی چاہا مگر وہ دل کڑا کر کے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ایک بار ایڑھ لگانے کے بعد اس نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی لاکھ کہے لیکن موٹر سائیکل اور گھوڑے میں ہرگز کوئی مماثلت نہیں ہے۔

اللہ دتا بھی بیٹھ گیا۔ اس نے بلند آواز میں دعا پڑھی اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ شہریار کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ وہ واردات تھی ہی اتنی عجیب۔ اسٹارٹ ہونے کے بعد اگلے ہی لمحے بائیک الف ہو گئی۔ کم از کم شہریار تو یہی کہہ سکتا تھا۔ اس نے گھوڑوں کو الف ہوتے دیکھا تھا مگر یہ بائیک تھی...... اور وہ جس طرح پچھلے پہیے پر کھڑی تھی، اس کے لیے اس سے موزوں اظہار کوئی تھا ہی نہیں۔ صورت حال یہ تھی کہ شہریار موٹر سائیکل کے کیریئر سے ٹکا ہوا تھا۔ اللہ دتا اپنے پورے وزن سمیت حالت نشست میں اس کے پیٹ پر تشریف فرما تھا اور کیونکہ موٹر سائیکل صرف پچھلے پہیے پر عمودی حالت میں کھڑی تھی تو اس کی آنکھوں کے سامنے کھلا آسمان تھا۔ پھر بائیک کا انجن اسٹارٹ تھا۔ اس میں آواز بھی تھی اور ارتعاش بھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بائیک آسمان کی طرف خالصتاً عمودی سفر کر رہی ہے۔

اس لمحے ایک محاورہ محاورہ نہیں رہا۔ سچا ہو گیا۔ شہریار کو واقعی دن میں تارے نظر آ رہے تھے۔ اسے لگا کہ وہ تاروں کے درمیان پتلی سی پگڈنڈی پر بڑھتا جا رہا ہے۔ ذہن ذرا سنبھلا تو اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا ''یہ کیا ہوا؟''

جواب میں اللہ دتا گڑگڑایا ''سر جی، آپ نیچے سے نکل نہ لیجیے گا ورنہ میں بائیک کو سنبھال نہیں سکوں گا۔''

''اب میں کیسے نکلوں گا۔ میرے اوپر تو، تو دھرا ہوا ہے۔'' شہریار نے بھنا کر کہا۔

''آپ فکر نہ کریں سر جی! میں کچھ کرتا ہوں۔''

شہریار کو یہ پتا نہیں چلا کہ اللہ دتا کیا کارروائی کر رہا ہے...... اور کر بھی رہا ہے یا نہیں لیکن اسے کرکٹ کھیلنے والے بچے ضرور نظر آئے جو کرکٹ بھول کر بائیک کے گرد جمع ہو گئے تھے...... بلکہ پڑے ہوئے تھے اس لیے کہ اگر وہ بیٹھا ہوا تھا...... اور وہ واقعی بیٹھا ہوا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ بچے کھڑے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ آسمان اور زمین کے درمیان لیٹے ہوئے تھے اور بچے نہ صرف ہنس رہے تھے بلکہ دلخراش جملے بھی بول رہے تھے۔

''یہ کیا؟'' ایک بچے نے کہا۔

''چاند گاڑی ہے'' دوسرا بولا ''یہ چاند پر جانے والے ہیں۔''

''کتنا آسان ہو گیا ہے چاند پر جانا'' تیسرے نے کہا۔

اللہ دتا کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔گلی میں کوئی بڑا گزرا تو اس نے زور لگا کر اللہ دتا کو بائیک زمین پر اتارنے میں مدد دی۔گاڑی سیدھی ہوتے ہی شہریار جلدی سے اتر گیا۔بائیک اندر لے چلو۔گھر میں' اس نے حکم دیا۔

''لیکن سر،ترائی......؟''

''باقی ترائی بعد میں۔تم گاڑی اندر لے چلو۔''

بائیک کھڑی کر دی گئی۔شہریار اللہ دتا کو کانفرنس روم میں لے گیا۔وہاں وہ خود سر پکڑ کر بیٹھ گیا''ہوا کیا ہے سر جی؟'' اللہ دتا نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''چکر آ رہے ہیں۔بھائی، میں نے کبھی جہاز میں سفر نہیں کیا۔''

ذرا دیر خاموشی رہی۔اللہ دتا پرتشویش نظروں سے شہریار کو دیکھتا رہا۔طبیعت کچھ سنبھلی تو شہریار نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا''معاف کرنا بھائی۔ہمیں بائلٹ کی ضرورت نہیں۔ہوائی جہاز سے ہی ہمارا دم نکلتا ہے۔کجا یہ کہ راکٹ کا سفر۔ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ راکٹ کے ڈرائیور کو کیا کہتے ہیں۔''

''آپ گھبرائے ہوئے کیوں ہیں سر جی؟''

''پہلی بار ایسی غیر معمولی صورتِ حال سے واسطہ پڑا ہے۔''

''یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے'' اللہ دتا نے بے پروائی سے کہا''اس میں کوئی غیر معمولی پن نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ ہے سر جی کہ ہنڈا ففٹی میں کلچ نہیں ہوتا اس لیے یہ سیدھی کھڑی ہو جاتی ہے۔''

''غضب خدا کا...... کلچ نہیں ہوتا اس میں'' شہریار نے بھڑک کر کہا''یعنی ایک اہم پرزہ سرے سے ندارد۔ویسے ہمیں کلچ کے بارے میں کچھ بتا نہیں ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں سر جی۔اب انشاءاللہ ایسا نہیں ہوگا'' اللہ دتا نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''کیوں...... تو نے اس میں کلچ کا بیج بو دیا ہے۔تیری دعاؤں سے اب اس میں کلچ اگل آئے گا؟'' شہریار نے آنکھیں نکالیں۔

''اللہ دتا نے بتیسی دکھائی اور کھسیائے ہوئے انداز میں کھی کھی کرنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔کل آنا، ہم تمہیں کل جواب دیں گے۔''

❁......❁......❁

شہر یار جمال کی طرف دوڑا۔ وہاں اس نے یہ واردات سنائی۔ جمال اسے تفضّل کے پاس لے گیا جو اللہ دتا کا کرسٹوفر کولمبس تھا۔ وہاں شہریار نے واردات کی تفصیل دہرائی۔ تفضّل ہنستا رہا اور وہ کڑھتا رہا۔

''یار، یہ بات تو پوری دنیا جانتی ہے کہ ہنڈا ففٹی کا کلچ نہیں ہوتا، تفضّل نے بتایا۔ ''احتیاط نہ برتی جائے تو وہ اسی طرح دم پر کھڑی ہو جاتی ہے۔''

''تو کیا احتیاط برتنا ہمارا کام تھا؟'' شہریار نے بھنا کر کہا۔

''ارے یار، اسکے لیے نئی بات تھی۔ چند دن میں رواں ہو جائے گا'' تفضّل نے اسے دلاسا دیا۔

''اور ان چند دنوں میں ہم عالم بالا کی طرف روانہ ہو گئے تو؟''

''رسک تو لینا ہی پڑے گا'' تفضّل نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''نو رسک نو گیم۔''

''ابے کیسا رسک اور کہاں کا گیم!'' شہریار بولا ''اور یہ طے ہو گیا کہ بے احتیاطی اللہ دتا کی تھی۔''

''میرے بھائی، وہ اسم با مسٹی ہے۔'' تفضّل نے کہا'' اللہ نے عطا فرمایا ہے آپ کو۔ آپ اور کچھ بھی کر نہیں سکتے۔ دنیا میں وہ موٹر سائیکل کا واحد پروفیشنل ڈرائیور ہے خوش قسمتی سے آپ کو میسر آ گیا ہے ورنہ آپ کی موٹر سائیکل ٹھپ کھڑی رہے گی، اسی پر اکتفا کریں بھائی۔''

شہریار کو خود پر بڑی شدت سے رشک آیا۔ وہ پوری طرح قائل ہو گیا۔ پھر اسے ایک اور خیال آیا ''اچھا...... دوسری موٹر سائیکلوں میں کلچ ہوتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں'' تفضّل نے جواب دیا۔

''اور وہ گھوڑے کی طرح الف بھی نہیں ہوتیں؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تو کیا سوچ رہا ہے بھائی؟'' جمال نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہم سالار جنگ سے کہیں گے کہ یا تو وہ اپنا تحفہ واپس لے لیں یا پھر کوئی دوسری موٹر سائیکل دیں۔ ان کا اپنا شوروم ہے'' شہریار نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

''ایسا غضب نہ کرنا۔ ہنڈا ففٹی سے اچھی موٹر سائیکل ہے ہی نہیں۔''

''کیا اچھائی ہے اس میں؟ دُم کے بل کھڑی ہو جاتی ہے...... یہی نا؟'' شہریار نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اسے چھوڑ۔ یہ خوبی کیا کم ہے کہ کار سے زیادہ گنجائش ہے اس میں۔''

''کیا مطلب ہے؟'' شہریار بھونچکا ہو گیا۔

''ارے بھائی، پوری فیملی سما سکتی ہے اس میں اور وہ بھی بڑی۔ فرض کر لے، دس سال میں تیرے دس بچے ہو گئے۔ اب تجھے کہیں جانا ہے، فیملی سمیت۔ اس کے لیے ہنڈا ففٹی بہت کافی ہے۔ آگے خود، پیچھے بیوی۔ بیوی کی گود میں سب سے چھوٹا بچہ اور بیوی کے آگے سب سے بڑا۔ پانچ چھوٹے بچے اپنے آگے باکس میں کھڑے کر دیے۔ دوسرے، تیسرے اور چوتھے نمبر کے بچے کو کیریئر پر بٹھا کر باندھ دیا۔ بس ایک سیٹ بیلٹ کی ضرورت پڑے گی۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ میرے بچاس سال میں بھی دس نہیں ہوں گے'' شہریار بولا۔

''جمال ٹھیک کہہ رہا ہے'' تفضّل نے بھی تائید کی ''ہنڈا ففٹی کی سی افادیت کسی موٹر سائیکل میں نہیں۔''

''دیکھیں گے'' شہریار نے بے دلی سے کہا۔ اس کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اسے موٹر سائیکل بدلنے ہی میں عافیت محسوس ہو رہی تھی تفضّل جیسے سنجیدہ آدمی کی بات وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس مسئلے پر ابھی سوچنا تھا۔

✿......✿......✿

اگلی صبح کانفرنس روم میں شہریار نے اللہ دتا کو خوش خبری سنادی ''ہم نے تمہیں ملازم رکھ لیا ہے۔ تنخواہ پندرہ سو روپے ماہوار اور تینوں وقت کا کھانا۔ ڈیوٹی ٹائم صبح آٹھ سے شام پانچ بجے۔ اس کے بعد پانچ روپے گھنٹا اوور ٹائم۔''

اللہ دتا بھونچکا رہ گیا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر شہریار کو گھبراہٹ ہونے لگی کہ دنیا کا اکلوتا بائیک ڈرائیور کہیں انکار نہ کردے ''کیا تمہیں قبول نہیں؟''

''میں نے قبول کیا...... میں نے قبول کیا۔ سر جی، میں نے قبول کیا۔''

شہریار نے سکون کی سانس لی۔ اسے اس پر بھی اعتراض نہیں ہوا کہ اللہ دتا نے نکاح والے اسٹائل میں قبول کیا ''اب ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔'' اس نے کہا۔

یوں مسلسل انٹرویو کا دوسرا حصہ شروع ہوا ''بچے کتنے ہیں؟''

''ایک بھی نہیں۔''

''شادی کو کتنا عرصہ ہوا؟''

''نہیں ہوا سر جی!''

''کیا نہیں ہوا؟''

''عرصہ۔''

''مطلب یہ کہ شادی ہی نہیں ہوئی؟''

''جی سر!''

''اب تو سیدھی طرح کیوں نہیں کہہ دیا؟''

''سر جی، سوال جواب میں یہی ہوگا۔ جو پوچھیں گے، اس کا جواب ملے گا۔ باقی باتیں میں ڈرائیونگ کی طرح کرتا ہوں۔ گاڑی کی رفتار سے رفتار اور آواز سے آواج ملا کر۔''

''لگتا ہے، تو ہماری توانائیاں نچوڑ لے گا۔''

''سر جی، میں آپ کو پہلے ایک اجاجت دے دوں۔''

''کیسی اجازت؟''

''تو تڑاخ کی۔ سر جی، آپ مجھ سے جس طرح چاہیں، بات کر سکتے ہیں'' اللہ دتا نے بے حد معصومیت سے کہا۔

شہریار کو ہنسی آ گئی ''شکریہ۔ بڑی مہربانی تیری۔''

''مگر سر جی، کبھی کبھی آپ جناب بھی کر لیجیے گا۔''

''وہ میں غصہ آنے پر کروں گا۔''

مزید سوالوں کے جواب میں کچھ اور معلومات سامنے آئیں۔ شہریار کو دو چیزیں خاص طور سے پریشان کر رہی تھیں...... ایک اللہ دتا کا نام اور دوسرا جثہ۔ (اگرچہ اسے احساس تھا کہ جثہ مناسب لفظ نہیں کیونکہ اللہ دتا لمبا ہی لمبا تھا، چوڑائی اور موٹائی ندارد تھی مگر جثے کا متبادل لفظ سوجھتا ہی نہیں تھا) بہر کیف شہریار اسے دیکھ کر سوچتا کہ اس کا نام اہم ہے یا جثہ۔ اور وہ جب بھی سوچتا تو یہ دونوں چیزیں گڈمڈ ہو کر رہ جاتیں۔ نام کا مطلب یعنی اللہ کی عطا ذہن میں بٹھا کر وہ اس کی طرف دیکھتا تو حیرت کرتا کہ حد سے زیادہ نوازنے والے نے اسے کیا دیا ہے۔ نام کی شانِ نزول پوچھی تو پتا چلا کہ برسوں والدین اولاد سے محروم رہے، بے حساب دعاؤں اور منتوں، مرادوں کے بعد وہ پیدا ہوا تو اللہ دتا کے سوا کیا کہلا سکتا تھا۔ شہریار یہی گمان کر سکتا تھا کہ اللہ میاں نے اس کے ماں باپ کے حصے میں اولاد نہیں لکھی تھی مگر روز روز کی آہ و زاری اور اولاد دہندہ بزرگوں کی مسلسل دعاؤں سے

تنگ آ کر تلافی کی ہو گی۔ ایسے میں جو بھی عطا ہوا، خوب ہوا۔ بہر حال وہ مکمل تو تھا۔ زبردستی کی عطا اور کیسی ہوتی۔

''رہتے کہاں ہو؟''

''بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے۔''

''میں رات کے متعلق بوجھ رہا ہوں؟'' شہریار نے جھلا کر کہا۔

''رات کے وقت ستاروں کی چھاؤں میں پڑ رہتا ہوں۔''

''گویا تمہیں رہنے کا ٹھکانا بھی چاہیے۔ ایسا کرتے ہیں، تمہارے لیے لڑائی کا کمرا ٹھیک کرا دیتے ہیں۔''

اللہ دتا کی سمجھ میں لڑائی کے کمرے کا رمز نہیں آیا مگر اس نے یہ پیش کش بغیر تفتیش کے قبول کر لی۔ اب شہریار نے اہم ترین مسئلہ چھیڑا ''ہم سوچ رہے ہیں کہ ہنڈا ففتی کو بدل کر کوئی اور موٹر سائیکل لے لیں۔''

''ایسا غجب بھی نہ کیجیے گا سر جی!'' اللہ دتا نے بھی حرف بہ حرف تو نہیں' لفظ بہ لفظ جمال والا جملہ بولا۔

''کیوں بھئی؟ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس میں کلچ نہیں ہے۔''

''اس ایک خرابی کی وجہ سے اتنی ساری اچھائیاں کیوں ضائع کریں اس کی۔''

''تو اس گاڑی کے بارے میں کیا جانتا ہے؟ اس کی خوبیاں بتا ہمیں؟''

''یہ بہت جبردست گاڑی ہے سر جی۔ ری سیل ویلیو بہت اچھی ہے اس کی۔ بار برداری کے معاملے میں منی ٹرک کے برابر ہے۔ گنجائش کے معاملے میں منی بس سے ٹکر لیتی ہے۔ اس کے اسپیئر پارٹس ہر جگہ دستیاب ہیں۔ یہاں تک کہ پان کی دکان پر بھی مل جاتے ہیں۔ خطرناکی میں سب سے کم ہے۔ کیریئر نہ ہو اور آپ سڑک پر پاؤں مجبوطی سے جما دیں تو یہ نیچے سے صفائی سے نکل جائے گی...... بونی ہونے کی وجہ سے۔ اور سر جی، سب سے بڑی بات یہ کہ یہ پٹرول صرف سونگھتی ہے۔ سونگھتی ہے اور چلتی ہے'' اللہ دتا نے گویا رٹا ہوا سبق دہرا دیا۔

''ہمیں تو بھئی یہ سب مبالغہ معلوم ہو رہا ہے'' شہریار نے کہا۔

''سب مستند ہے سر جی!''

''اسپیئر پارٹس پان کی دکان پر مل جاتے ہیں'' شہریار نے حیرت سے دہرایا۔

''یہ سچ ہے سر جی!''

''اچھا اور کوئی خوبی؟''

''آخری بات یہ ہے کہ سر جی کہ موٹر سائیکل بدلنے کے بعد آپ کو پھر سے ڈرائیور تلاش کرنا ہو گا۔ میں نے صرف ففٹی پر مشق کی ہے سر جی!''

''ٹھیک ہے۔ ہم یہی گاڑی رکھیں گے۔'' شہریار نے کہا۔ وہ ہنڈا ففٹی کے بارے میں اللہ دتا کی معلومات سے بے حد مرعوب ہوا تھا ''ایک بات بتاؤ۔ یہ سب تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''سر جی، صرف آپ کے لیے میں نے موٹر سائیکل چلانا سیکھا ہے۔ ساتھ ساتھ معلومات بھی جمع کرتا رہا ہوں۔''

''پھر تو تم بہت قابل ہو'' شہریار نے دنیا کے اکلوتے ملازمت پیشہ بائیک ڈرائیور کے مکھن رسید کیا۔ اللہ دتا کے دانت نکل پڑے۔

یوں موٹر سائیکلوں کی تاریخ میں ایک نئے اور انوکھے باب کا اضافہ ہوا۔

✿......✿......✿

اب تک آپ نے جو کچھ پڑھا، وہ مصنف کا بیانیہ تھا جو اس نے ایک غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے تحریر کیا۔ اس میں آنکھوں دیکھی بھی تھی، کانوں سنی بھی اور قیاسات بھی مگر آگے کے واقعات تحریر کرنے سے مصنف خود کو عاجز پاتا ہے۔ شہریار نے بیان کی شگفتگی کو مجروح کرنے کی ہمت وہ خود میں نہیں پاتا۔ چنانچہ آگے کے واقعات اس نے تحریر نہیں کئے، محض ترتیب دیے ہیں۔ یہ خود شہریار کی زبانی ہیں۔ وہ سب کچھ بہت اہتمام سے جمع کیا گیا ہے جو شہریار نے دوستوں کی محفلوں میں، زوجہ سے خلوت میں اور سسرال والوں کے سامنے بیان کیا۔ لہٰذا اب آپ صیغہ واحد متکلم میں خود شہریار کی شگفتہ بیانی ملاحظہ فرمائیں گے......

✿......✿......✿

ہمارے بائیک ڈرائیور اللہ دتا کی شخصیت گوناگوں خصوصیات سے عبارت تھی۔ ان تمام خصوصیات کو ہم بالترتیب تقدیم وتاخیر کے التزام کے ساتھ بیان کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ اس کے نام اور جثے کا تذکرہ ہو چکا۔ اس کی باقی خصوصیات ہم پر رفتہ رفتہ، بغیر کسی ترتیب کے اور ہنگامی حالت میں کھلیں۔ ہماری کوشش یہی ہوگی کہ اس کی خصوصیات کو سمیٹتے ہوئے اسی ترتیب سے واقعات بیان کریں جس طرح سے وہ پیش آئے تھے۔ لیکن یہ ایک ہوش ربا کام ہے۔ کہیں بھول چوک ہو جائے تو درگزر فرمایئے۔

اللہ دتا نے کلچ کی کمی کے مسئلے پر قابو پا لیا تھا۔ پہلے دن کے بعد غالباً دوسرے یا تیسرے دن گاڑی ایک بار پھر الف ہوئی۔ اس کے نتیجے میں اس بار ہمارے سر پر ایک گومڑا اُگ گیا۔ چنانچہ ہم نے پہلی فرصت میں اپنے سرِ عزیز کے لیے کرش ہیلمٹ خرید لیا۔ ہماری اس حرکت پر اللہ دتا سخت معترض ہوا "سر جی، ہیلمٹ کی آپ سے جیادہ مجھے جرورت ہے" اس نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ پیچھے ہم گرتے ہیں۔ تو، تو ہمارے اوپر بیٹھا ہوتا ہے۔"

"سر جی، میں...... ایکسڈنٹ کے خیال سے عرج کر رہا ہوں۔"

"ایکسیڈنٹ کا امکان بھی ہے؟" ہم نے گھبرا کر پوچھا۔

"ایکسڈنٹ تو سر جی ٹرالر کا بھی ہو جاتا ہے۔ گاڑی سڑک پر آئے گی تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں دو برتن ہوں، وہاں کھٹ پٹ تو ہو ہی جاتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ اپنے لیے ہیلمٹ تو خود اپنی تنخواہ سے خریدنا۔"

"اتنی کم تنخواہ میں تو یہ ممکن نہیں" اللہ دتا نے بے نیازی سے کہا "میں اس کے بغیر ہی کام چلا لوں گا سر جی۔"

مگر پہلے ہی دن ہمیں احساس ہو گیا کہ لوگ ہمیں دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں۔ اللہ دتا سے بات کی تو وہ بولا "آپ بڑے بھولے ہیں سر جی۔ وہ مجاق اڑاتے ہیں۔"

"تجھ میں کوئی ایسی مضحکہ خیزی مجھے تو نظر نہیں آتی۔"

"مجھ میں نہیں ہے سر جی!"

"موٹر سائیکل بھی ٹھیک ٹھاک ہے" ہم نے ذرا تشویش سے کہا۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر؟"

"وہ آپ کا مجاق اڑاتے ہیں سر جی۔ آپ نے کبھی موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے کسی آدمی کو ہیلمٹ لگائے دیکھا ہے؟"

"غور نہیں کیا کبھی۔"

"اب کیجیے گا۔"

''ہم نے خوب غور کیا اور واقعی ایسا کوئی نظر نہیں آیا مگر ہمیں پروا نہیں تھی مذاق کی۔ ہمیں سر زیادہ عزیز ہے۔

''دیکھیں، بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ خیر...... پہلی بار موٹر سائیکل پر اس کے پیچھے بیٹھتے ہی ہمیں اس کے انٹرویو کا ایک جواب یاد آ گیا۔ اس نے کہا تھا...... باتیں میں گاڑی کی رفتار سے رفتار اور آواج سے آواج ملا کر کرتا ہوں...... اور اس نے سچ کہا تھا۔ ساتھ ہی ہمیں یہ پتا چلا کہ اللہ دتا بھی مشین ہے۔ اسے باتیں کرنے کا خبط تھا...... خاص طور پر ڈرائیو کرتے ہوئے۔ وہ مسلسل بولتا رہتا اور ہم پیچھے بیٹھے مستقلاً لرزتے رہتے۔ ہوا یہ کہ پہلے ہی دن سگنل توڑنے پر چالان ہو گیا۔ غلطی صریحاً اللہ دتا کی تھی۔ بتی سرخ ہونے کے باوجود وہ درانہ وار دوسری طرف سے آنے والے ٹریفک میں گھس گیا۔ وہاں تو افراتفری مچ گئی۔ ہماری موٹر سائیکل کو بچانے کے لیے جس گاڑی نے بریک لگائے، اسے پیچھے سے ٹکر لگی اور بات وہیں ختم نہیں ہوئی۔ چراغ سے چراغ جلتا گیا اور پوری سڑک پر نہ صرف چراغاں ہوا بلکہ جشن ہاؤ ہو شروع ہو گیا۔ پوں...... پوں...... پوں...... ہارن بجنے لگے۔ ادھر ٹریفک سارجنٹ چالان بک لے کر لپکا۔ اللہ دتا ایسا بوکھلایا کہ موٹر سائیکل ہی بند ہو گئی۔

''ادھر کنارے پر آ جائیے'' سارجنٹ نے غصے سے کہا مگر لہجہ مہذبانہ تھا۔

کنارے لے جا کر اس نے خوب مزاج پرسی کی۔ اللہ دتا ہر بات کے جواب میں ''غلطی ہو گئی سرجی'' کہتا رہا۔ سارجنٹ نے گاڑی کے کاغذات اور ڈرائیونگ لائسنس بطور خاص چیک کیا۔ ''لائسنس تمہارا ہے؟''

''جی سرجی!''

''اور یہ کاغذات......؟''

''میں تو ڈرائیور ہوں سرجی۔ گاڑی تو سرجی کی ہے'' اللہ دتا نے ہماری طرف اشارہ کیا۔

سارجنٹ نے ہمیں یوں دیکھا جیسے ہم عجوبہ ہیں ''یہ ڈرائیور ہے آپ کا...... موٹر سائیکل کا؟''

''جی ہاں'' ہم نے بے حد بردباری سے کہا۔

''آپ خود کیوں نہیں چلاتے؟'' اس نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ہمیں اس کا انداز بہت برا لگا۔ ہم نے کہا ''ہماری مرضی۔ ڈرائیور رکھنا خلاف قانون ہے کیا؟''

''ڈرائیور رکھنا تو خلاف قانون نہیں'' سارجنٹ کا موڈ آف ہو گیا ''لیکن سگنل توڑنا خلاف قانون ہے'' یہ کہہ کر اس نے چالان کا پرچہ کاٹ کر ہمیں تھما دیا۔

آگے جا کر ہم نے اللہ دتا سے اس سلسلے میں استفسار کیا تو پہلا انکشاف ہوا ''سرجی، میں کلر بلائنڈ ہوں'' اس نے وضاحت کی۔ ''میں لال اور ہری بتی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ برا نہ مانئے گا سرجی، سگنل پر آپ بتا دیا کیجیے کہ بتی لال ہے یا ہری۔''

ہم میں دنیا کے واحد ملازمت پیشہ بائیک ڈرائیور کی کسی بات کا برا ماننے کا حوصلہ ہی نہیں تھا۔ ہمیں بس اتنا یاد تھا کہ ہم بے بس ہیں اس لیے کہ اللہ دتا کا نعم البدل ہمیں میسر آ ہی نہیں سکتا چنانچہ ہم نے اس کی بات مان لی۔ صبر کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اب ہوتا یہ تھا کہ سگنل سے دو فرلانگ پیچھے اللہ دتا رنگ دریافت کرتا اور ہم کمنٹری شروع کرتے۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ روشنی ایسے نازک لمحے میں تبدیل ہوتی کہ اس کی اطلاع اللہ دتا کو پہنچنے کے دوران میں بائیک سگنل توڑ چکی ہوتی۔ ایسے میں اللہ دتا کی برہمی قابل دید ہوتی۔ وہ غصے کے مارے تاج محل ہو جاتا (سیاہ رنگت سپید پڑ جاتی تھی) چالان ہو جانے کی صورت میں اس کا غصہ اور بھی بڑھ جاتا۔ وہ ہمیں اپنی توفیق اور ہمارے ظرف کے بقدر ڈانٹتا پھٹکارتا۔ ''سرجی، بڑی غیر جمے داری کا مجاہرہ کیا ہے آپ نے۔''

''ہمارا کوئی قصور نہیں'' ہم صفائی پیش کرتے ''روشنی اچانک ہی تبدیل ہوئی تھی۔''

''پھر بھی آپ کو خیال رکھنا چاہیے۔''

''اب ہوش میں تو ہے'' ہمیں بھی غصہ آ جاتا۔

''بس سر جی، پھر میں استعفیٰ دے دیتا ہوں۔''

''یہ سن کر ہمارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے''حضور...... بھول جا اس بات کو'' ہم کہتے ہیں اور وہ فوراً ہی سعادت مندی سے بھول جاتا۔

اس مسئلے کا بھی کوئی حل سوچنا تھا۔ ایک دن ہم نے ایک تجربہ کیا۔ ہم سگنل کے قریب پہنچے تو اسی لمحے روشنی زرد ہوئی۔''سر جی، روشنی لال ہے یا ہری؟'' اللہ دتا نے معمول کے مطابق پوچھا۔ یہ سوال وہ ایک منٹ میں دو بار کی شرح سے کرتا تھا۔

''بتی سرخ ہے اللہ دتا'' ہم نے اسے اطلاع دی۔

اللہ دتا نے فوراً بریک لگائے۔ اسی لمحے پیچھے والی گاڑی نے رفتار بڑھائی تھی تا کہ بتی سرخ ہونے سے پہلے کراس کر لے۔ اللہ دتا کا بائیک روکنا اس کے لیے خلاف توقع تھا۔ نتیجتاً ٹکر ہوگئی۔ ٹکر کا پہلا اثر موٹر سائیکل کے بجائے ہم پر پڑا۔ اڑتے ہوئے اس جگہ جا کر گرے، جہاں کھڑے ہو کر کبھی کوئی ٹریفک کانسٹیبل ٹریفک کنٹرول کرتا ہوگا۔ ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ چند لمحے بعد احساس ہوا کہ کوئی سہارا دے کر اٹھا رہا ہے اور بار بار پوچھ رہا ہے...... آپ ٹھیک تو ہیں؟

ہم نے اپنا جسم ٹٹولا۔ کہیں کوئی تکلیف نہیں تھی''ہم ٹھیک ہیں'' ہم نے کہا''بس ہیلمٹ میں ذرا درد ہو رہا ہے'' اتنا کہتے ہی ہمیں ایک اور تبدیلی کا احساس ہوا''ہاں، بینائی میں بھی فرق پڑا ہے۔ اب زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔''

اس پر سہارا دینے والا ہنسا''وہ ذرا وائزر ٹوٹ گیا ہے ہیلمٹ کا اسی لیے ہیلمٹ دکھ رہا ہوگا۔ آپ ہیلمٹ اتار کر دیکھیں۔''

ہم نے فوراً ہیلمٹ اتار دیا اور مخاطب کو دیکھا''اب درد تو نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں'' ہم نے بے ساختہ کہا۔

''اس پر وہ گستاخی سے ہنسنے لگا''ہیلمٹ کو اسپتال لے جائیں۔''

اسپتال کا سنتے ہی ہمیں موٹر سائیکل اور اللہ دتا کا خیال آیا۔ دیکھا تو صورتِ حال خاصی مخدوش تھی۔ بائیک اور اللہ دتا کو معکوس الترتیب اسپتال اور مکینک کے پاس پہنچانا پڑا۔ دونوں وہاں تین دن رہے۔ بل اسپتال کا زیادہ بنا۔ اس رات برادرانِ نسبتی کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہماری بیگم کی صدارت میں ہوا۔ سالارِ جنگ نے اس بات پر اطمینان ظاہر کیا کہ اس حادثے میں ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ صرف ہیلمٹ کا وائزر تبدیل کرانا ہوگا۔

''ہمارے خیال میں ڈرائیور تبدیل کرنا ہوگا'' ہماری بیگم نے خیال ظاہر کیا''ہمیں تو وہ آدمی ہی مخدوش لگتا ہے۔ حلیہ وہ ان سے اچھا رکھتا ہے۔ ان سے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ رکھتا ہے۔ یہ ڈرائیور لگتے ہیں اس کے'' ظاہر ہے کہ اشارہ ہماری طرف تھا۔

''ایسی بات نہیں۔ چھوٹے بھائی جان ہیلمٹ لگا کر سب حساب برابر کر دیتے ہیں'' نورو بھائی نے جلدی سے کہا۔

''جی ہاں۔ موٹر سائیکل پر پچھلی سیٹ پر ہیلمٹ لگا کر بیٹھنے والے یہ واحد سوار ہیں اس شہر میں'' تختو بھائی نے تائید کی''اس کی وجہ سے ہمیں ان کے پل پل کی خبر رہتی ہے۔ ان کی شہرت الگ ہو رہی ہے۔ سنا ہے روزنامہ''افواہ'' ان پر فیچر شائع کرنے والا ہے۔''

ہم یہ سب خاموشی سے سن رہے تھے''ڈرائیور کی تبدیلی خارج از امکان ہے'' ہم نے کہا''ہمارے پاس جوائس نہیں ہے۔ دوسرا ڈرائیور نہیں مل سکتا اور ہمارے خیال میں سارے فساد کی جڑ بائیک ہے۔ ہمیں اس کو منسوخ کر دینا چاہیے۔''

''نہیں...... ہرگز نہیں'' سالارِ جنگ نے جلدی سے کہا''وہ ہمارا تحفہ ہے اور اس کے فائدے بھی بہت ہیں۔ رکشا، ٹیکسی اور بس کی ذلت سے بچاتی ہے وہ۔''

''یہ تو آپ بجا فرماتے ہیں لیکن......''

''لیکن ویکن کچھ نہیں فائدہ ہے تو فائدہ ہے۔'' سالارِ جنگ نے فیصلہ سنا دیا۔

''ہمیں تو کوئی فائدہ نہیں'' ہماری بیگم منمنائیں۔ سالارِ جنگ کا وہ بہت لحاظ کرتی تھیں۔ ان کے سامنے بولتی بھی بہت کم تھیں۔''شروع میں تو

ہم خوش ہوئے کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر خوب گھومیں پھریں گے مگر یہ اللہ دتا کی اہلیہ ہو گئے۔ اس کے پیچھے بیٹھ کر خوب گھومتے پھرتے ہیں اور ہم اکیلے..... کبھی دعوت میں جانا ہو، کسی سے ملنا ہو تو کیا کریں۔''

''ہماری بلو کیب کو آج سے اپنا سمجھو..... ڈرائیور سمیت'' سالار جنگ نے جذباتی ہو کر کہا۔ ہم نے ڈرائیور سمیت پر احتجاج کیا تو انہوں نے وضاحت کی کہ ان کا ہرگز کوئی مخدوش مطلب نہیں تھا ''یوں آپ بھی ہمشیرہ کے ساتھ آ جا سکیں گے'' انہوں نے مزید کہا۔

''یعنی آپ بائیک واپس لے رہے ہیں؟'' ہم نے بے حد خوش ہو کر پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔''

''ہم ٹیکسی میں سفر کریں گے تو بائیک بمع ڈرائیور رکھنے کا فائدہ؟''

سالار جنگ نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا ''ہمشیرہ بلو کیب میں اور آپ بائیک پر۔ ٹھیک ہے نا؟''

''ٹھیک ہے'' ہم نے مرے مرے لہجے میں کہا ''لیکن اسپتال اور مکینک کے بلوں کی یہی رفتار رہی تو ہم اسے نہیں جھیل سکیں گے۔''

''وہ سب ہمارے ذمے ہے'' سالار جنگ نے خم ٹھونک کر کہا۔

اجلاس برخاست ہو گیا۔ تمام شرکا نے آخر میں ہماری اور بائیک کی صحت و عافیت کے لیے اجتماعی دعا کی۔ اللہ دتا کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ اگلے روز دوست عیادت کے لیے آئے۔ حادثے کا آنکھوں دیکھا حال سنا تو جمال بولا ''لگتا ہے، ذوالقرنین صاحب تمہیں نکالنے والے ہیں اور اللہ دتا تمہارے لیے بے حد مبارک ثابت ہو رہا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' ہم نے پوچھا۔

''تھوڑے ہی عرصے میں تم ایک تربیت یافتہ نیوی گیٹر بن جاؤ گے۔''

اسی روز ہم بائیک کی عیادت کے بعد اللہ دتا کو دیکھنے گئے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا'' آپ نے بڑی دغابازی کی ہے سر جی۔ بائیک کا نہیں تو ہمارا خیال کر لیا ہوتا۔''

''کیا مطلب ہے تیرا؟''

''بتی ہرگز سرخ نہیں تھی سر جی۔ نہ دوسری طرف کا ٹریفک کھلا تھا اور نہ اپنی طرف کا رکا تھا۔ آپ نے ہمیں مروا دیا۔''

''خدا کی قسم، بتی سبز نہیں تھی اللہ دتا!'' ہم نے بات گھما کر کی۔

''بتی سرخ بھی نہیں تھی۔''

''تو زرد ہو گی۔''

وہ مزید بھڑاس نکالنا چاہتا تھا۔ ہم نے اسے سمجھایا کہ ڈاکٹر نے اسے خاموشی کی تاکید کی ہے پھر ہم نے پوچھا ''تیرا حال کیا ہے؟''

''پسلی میں بہت درد ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے، بال برابر ٹوٹی ہے۔''

''تو اسے نکلوا دے'' ہم نے کہا پھر اللہ دتا کا غیظ و غضب دیکھ کر وضاحت کی ''کیا پتا، یہ وہی پسلی ہو جس سے تیری حوا کو بننا تھا۔ سوچ لے، شادی کا سنہرا موقع ہے یہ۔ اسے ضائع کر دیا تو کنوارا ہی مارا جائے گا۔''

اللہ دتا بے بسی سے ہمیں دیکھتا رہا۔

✿.......✿.......✿

زندگی، بائیک، اللہ دتا اور ہم پھر رواں دواں ہوگئے۔اسرار کے مزید پردے اٹھنے لگے۔سگنل کی لائٹ کے سلسلے میں اللہ دتا سے تعاون کا عہد کرتے ہوئے ہم یہ نہیں سمجھ سکے تھے کہ اس کے ساتھ اور کچھ بھی وابستہ و پیوستہ ہے۔ایک دن ہم بائیک کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے کسی اہم مسئلے پر غور کررہے تھے کہ اچانک ایک جھٹکا لگا اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی۔کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا افتاد پڑی ہے۔یہ اندازہ تو ہورہا تھا کہ ہم بدستور بائیک پر ہیں اور آواز بتاتی تھی کہ بائیک چل رہی ہے۔اللہ دتا کو چھو کر دیکھا۔وہ بھی موجود تھا۔ڈرتے ڈرتے اوپر دیکھا تو آسمان بھی سر پر موجود تھا۔اسی لمحے ایک اور جھٹکا لگا اور جادو کے زور سے سب کچھ بدل گیا۔وہی سڑک اور وہی ہم۔پلٹ کر دیکھا تو پتا چلا کہ ہوا کیا ہے۔

''سرجی، کیا آپ بھی وہیں سے گجرے، جہاں سے ہم گجرے تھے؟'' اللہ دتا نے دریافت کیا۔

''ہم تجھ سے اتیج ہیں بدبخت۔''

''اٹیچ باتھ روم'' اس نے بے ساختہ کہا پھر پوچھا ''یہ کیا تھا سرجی!''

''سرنگ تھی...... ہانگ کانگ کو کولون سے ملانے والی'' ہم نے بے حد جل کر کہا۔

''ٹھیک ہے سرجی!''

ہمیں بہت زور کا غصہ آیا ''ابے گڑھا تھا...... بہت برا، بہت گہرا اور بہت وسیع و عریض۔''

اللہ دتا کو ہم سے زیادہ غصہ آیا ''تو آپ نے بتایا کیوں نہیں؟'' اس نے غصے سے پوچھا ''یہ تو آپ کی جمے داری ہے سرجی!''

''آگے تو ہے کہ ہم۔تو پیچھے بیٹھ کر چلا کر۔ہم آگے بیٹھ کر راستہ دکھایا کریں۔''

''سرجی، میرے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں'' اللہ دتا نے معذرت کی ''یونہی کام چلانا ہوگا۔آپ بائیک پر بیٹھ کر سوچا نہ کریں۔راستے پر توجہ رکھیں۔''

چنانچہ یہ ایک اور ذمے داری ہم پر آپڑی۔اللہ دتا کی تحقیق و تفتیش کی عادت نے اسے سنگین بنا ڈالا۔یہ ایک جوہر اور اس کا کھلا...... تحقیق و تفتیش! اب یوں ہوتا کہ موٹر سائیکل پانی کی طرح بہہ رہی ہوتی اور ہمیں کافی آگے ایک گڑھا نظر آتا، ہم اچانک چیختے ''اللہ دتے...... گڑھا!''

یہ سنتے ہی اللہ دتا بائیک ڈرائیور سے پروفیسر بن جاتا...... ''کہاں ہے؟'' وہ دریافت کرتا۔

''وہاں ہے'' ہم اشارے سے بتاتے۔

''فاصلہ کتنا ہے؟''

''سو میٹر ہوگا۔''

''کتنا بڑا ہے؟''

''نصف قطر کوئی ایک فٹ کے لگ بھگ ہوگا۔''

''گہرائی!''

''تہ تک ہماری نظر نہیں جا پا رہی ہے۔''

''گہرا ہے'' اللہ دتا تشویش سے کہتا۔پھر پوچھتا ''لوکیشن کیا ہے سرجی؟''

''لوکیشن؟'' ہم ہونق ہوجاتے۔

''سڑک کے بیچ میں ہے، دائیں جانب یا بائیں جانب ہے۔جلدی سے بتایئے۔''

''اب تو بائیک کے عین نیچے ہے'' ہم بھنا کر چیختے۔بائیک چند لمحوں کے لیے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے مگر ہمیں لگتا ہے کہ دنیا اندھیر ہوگئی ہے۔

بائیک غوطہ لگا کر اوپر آتی تو اللہ دتا پر تشویش لہجے میں پوچھتا ''کہاں رہ گیا وہ گڑھا سرجی! آپ کا وہم تو نہیں تھا؟''

''ابھی ابھی ہم اسی میں سے نکلے ہیں'' ہم سخت جل کر اطلاع دیتے۔

''کمال ہے۔ پتا بھی نہیں چلا'' فخر سے گردن اکڑا لیتا ہے'' دیکھ لیجیے ، میں کیسا باکمال ڈرائیور ہوں۔''

ہمیں کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ اللہ دتا اور بائیک کے حوالے سے شہر میں ہماری شہرت ہو رہی ہے۔ اکثر کوئی ایسا دوست ملتا جس سے ملاقات کو مہینوں ہو چکے ہوتے۔ وہ کہتا'' یار شہر کل میں نے تمہیں دیکھا تھا۔''

''کہاں؟'' ہم حیرت سے پوچھتے۔

''تم اپنے ڈرائیور اور بائیک کے سمیت یونیورسٹی روڈ کے سب سے بڑے گڑھے سے طلوع ہو رہے تھے۔''

کبھی غروب ہونے کی اطلاع بھی ملتی۔ ایک دن ایک مخلص دوست نے بے حد خلوص سے کہا'' تمہاری حماقتوں کا بڑا چرچا ہے شہر میں۔ بہت بدنامی ہو رہی ہے۔''

''کس سلسلے میں؟''

''ابے، بائیک کے لیے بھی کسی نے ڈرائیور رکھا ہے۔''

''ہم نے رکھا ہے اور یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔''

''بہت مذاق اڑتا ہے۔''

''اڑنے دو۔ ہمیں اپنی سہولت دیکھنی ہے۔''

✿......✿......✿

پھر اللہ دتا کی ایک اور خوبی سامنے آئی۔ وہ یہ تھی کہ وہ خود انحصاری کا قائل تھا۔ سگنل لائٹ اور گڑھوں کے معاملے میں وہ مجبور تھا۔ نظر کی کمزوری قدرتی تھی اور اس کے بقول ہم اس کی رہنمائی کے سلسلے میں نا اہل ثابت ہو رہے تھے۔ ہماری نا اہلی نے اس کی اس خوبی کو اور مہمیز کر دیا تھا۔ وہ بائیک کے ہینڈل پر دائیں بائیں لگے ان دو آئینوں پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا جو صرف عقبی ٹریفک پر نظر رکھنے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یوں ہوتا کہ کسی شاہراہ کے عین وسط میں چلتے چلتے وہ پہلے جھکتے ہوئے پلٹ کر بائیں جانب دیکھتا اور پھر دائیں جانب۔ ہمیں یہ علم کبھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ پہلے کس طرف جھکے گا۔ خیر تو جب وہ اس انداز میں پلٹ کر دیکھتا تو ہمیں سڑک کے متوازی سفر کرنے کا احساس ہوتا۔ احساس کیا، یہ واقعہ ہوتا۔ موٹر سائیکل سڑک پر پہلو کے بل چل ہوتی اور ہمارا کندھا تقریباً سڑک کو چھو رہا ہوتا۔ ایسا لگتا کہ ہم موت کے کنوئیں میں ہیں۔ ہمارے اندرونی اعضا باہم دست و گریباں ہو جاتے بلکہ کبھی تو یہ محسوس ہوتا کہ دل، جگر، پھیپھڑے اور گردوں وغیرہ کے باہمی تبادلے ہو چکے ہیں۔

کچھ دن تو ہم نے برداشت کیا۔ آخر اس کی توجہ عقب نما آئینوں کی طرف دلانے پر مجبور ہو گئے۔

''مجبوری ہے سر جی۔ میری پیچھے کی نجر تو بہت ہی کمجور ہے'' اس نے جواب دیا۔

''اس میں نظر کا کام ہی نہیں۔ اتنے سے آئینے میں یا تو گاری نظر آئے گی یا نہیں نظر آئے گی۔''

''سر جی، ان شیشوں کا بھی کیا اعتبار۔ میں تو بس خود پر بھروسا کرنے کا عادی ہوں'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا'' یا پھر آپ پر'' اس نے تکلفاً ٹکڑا لگایا۔

''تو آئندہ سے ہم تمہاری پیٹھ سے پیٹھ ملا کر بیٹھیں گے'' ہم نے بھی فیصلہ سنایا'' تمہیں پیچھے مڑنے کی ضرورت نہیں۔''

''سر جی، پھر سگنل کون دیکھے گا؟'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔'' اور گڑھے؟''

''کچھ بھی ہو۔ تم پیچھے مڑ کر نہیں دیکھو گے۔ یا تو آئینوں میں دیکھا کرو۔ ہاں، ایک صورت اور ہے۔''

''وہ کیا؟'' اس نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

''ہم موٹر سائیکل بیچ دیں گے پھر تمہاری چھٹی۔''

''یہ سنتے ہی موٹر سائیکل جیسے حواس باختہ ہوگئی۔ اس نے کئی لہریے بنائے اور بالآخر رک گئی'' کیا ہوا؟'' ہم نے پوچھا۔

''ایک آئیڈیا سوجھنا چاہ رہا ہے سرجی۔''

''اس سے کہو کہ جلدی سے سوجھے۔''

اللہ دتا بائیک سے اترا۔ ہم بھی اترے۔ اللہ دتا نے بائیک کا یوں اوپر سے نیچے، آگے سے پیچھے اور دائیں سے بائیں معائنہ کیا جیسے کوئی جرنیل مورچے پر میدانِ جنگ دیکھ رہا ہو۔ پھر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں'' ٹھیک ہے سرجی۔ مسئلہ حل ہوگیا۔ آپ پیٹھ سے پیٹھ ملا کر بیٹھیے گا......لیکن کل سے۔''

ہماری سمجھ میں اس وقت کچھ نہیں آیا۔ اللہ دتا نے ہمیں دفتر چھوڑا اور پوچھا'' آپ کو لینے کب آؤں سرجی؟''

''پانچ بجے۔''

وہ چلا گیا۔ شام کو آیا تو بائیک کو دیکھ کر ہمارا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ عجیب الخلقت لگ رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' ہم نے پوچھا۔

اب آپ پیچھے کی طرف رخ کر کے بیٹھ سکتے ہیں سرجی۔ پیچھے کے ٹریفک کا حال بھی بتاتے رہیے اور آگے کے سگنل اور گڑھوں سے بھی باخبر رکھیے۔''

ہم نے سچ مچ اپنا سر پیٹ لیا۔ کم بخت نے عقب نما آئینے پیچھے لگوا دیے تھے......ویلڈ کرا کے!

✿......✿......✿

ہماری شہرت...... بلکہ بدنامی میں ایک دم بہت اضافہ ہوگیا۔ اللہ دتا نے ہماری بائیک کو ایسا ہی عجوبہ بنا دیا تھا۔ آپ تصور تو کریں۔ بائیک آگے سے گنجی ہو، پیچھے دو آئینے لگے ہوں، پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والے کا رُخ کیریئر کی طرف ہو اور وہ آئینوں میں دیکھ رہا ہو۔ یہی نہیں، اس کے سر پر ہیلمٹ بھی ہو تو یہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا کہ بائیک کا فرنٹ کون سا ہے اور بیک کدھر ہے۔ جہاں بچے ہوتے، ہماری بائیک کے گرد مجمع لگ جاتا۔ بات بچوں سے شروع ہو کر بڑوں تک پہنچتی۔ ایسے ایسے جملے کسے جاتے کہ ہمیں پسینے آجاتے۔ جس سڑک پر ہم نکل جاتے، لوگ پلٹ پلٹ کر ہماری بائیک کو دیکھتے۔ اس کی وجہ سے تقریباً ہر بڑی سڑک پر کم از کم ایک حادثہ ضرور ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم براہِ راست اس میں ملوث نہیں تھے۔ یہ ضرور تھا کہ ہماری وجہ سے سڑک پر موجود دوسرے ڈرائیوروں کے ارتکاز میں خلل پڑتا تھا۔

توہین آمیز تبصرے سنتے سنتے ہم عاجز آگئے۔ ایک دن ہم نے مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ دتا سے کہا'' تیری وجہ سے ہمارا برا مذاق ارتا ہے۔ تو نے ہمیں اور بائیک کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔''

''یہ خوش ہوتے ہیں سرجی۔ یہ آئیڈیا کبھی کسی کو نہیں سوجھا تھا'' اللہ دتا نے بے نیازی سے کہا۔

اب صورت حال اور طرح کی تھی۔ ہماری ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں اور اللہ دتا مزے میں تھا۔ بلکہ ہمارا تو بہت برا حال تھا۔ ہم اس کی پیٹھ سے پیٹھ ملا کر بیٹھتے، ہمیں پیچھے کے ٹریفک کو دیکھ کر اس کی کنٹری بھی کرنی پڑتی اور آئینوں میں دیکھ کر سامنے کا حال بھی بتانا پڑتا۔ حیران ہوں دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں والا معاملہ تھا۔ اس پر مصیبت یہ کہ اللہ دتا گاڑی چلاتے وقت خود بھی مسلسل بولنے کا قائل تھا اور بولنے والا دوسرے کی کب سنتا ہے۔ کم از کم ہر بات تو نہیں سنتا۔ بدقسمتی سے اللہ دتا بے حد اہم باتیں اپنی باتوں کے چکر میں نہیں سن پاتا تھا۔ بائیک کے عجوبہ ہو جانے میں ایک بڑا نقصان اور ہوا تھا۔ بائیک کی ہیئت کذائی دوسروں کو جارحیت پر اکساتی تھی بلکہ دعوت دیتی تھی۔ کبھی تو ان کی گاڑیوں کے منہ ہماری بائیک کی دم کو چھونے لگتے تھے۔

ہماری کنٹری بیٹھتے ہی شروع ہو جاتی ''بچھے گلی میں مطلع صاف ہے۔ بچے کھیل رہے ہیں۔ ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اللہ دتا تیری ناک کی سیدھ میں 70 گز آگے ایک گڑھا ہے، گہرائی نامعلوم ہے'' یہ تھی گھر سے نکلتے وقت کی پوزیشن۔ مین روڈ پر پہنچ کر ہمارے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ آواز لڑکھڑانے لگتی۔

''ہمارے بائیں جانب ایک کار بہت تیز رفتار میں آ رہی ہے۔ اللہ دتے دائیں جانب گھما۔ ارے...... دائیں جانب سیاجانک کوچ نے رفتار پکڑی ہے۔ بائیک کو بائیں جانب کر کے رفتار ذرا کم کر۔ مارے جائیں گے اللہ دتے...... جلدی......''

تین دن بعد ایک سرسری حادثے کے نتیجے میں ایک اور گڑبڑ سامنے آئی۔ حادثے کے بعد اللہ دتا نے بائیک روکی اور ہم پر برس پڑا۔ ''آپ ہمیں شادی سے پہلے ہی گڑوانے کے چکر میں ہیں سر جی!''

''ہم نے کیا، کیا ہے؟''

''آپ نے کہا، بائیں جانب۔ میں بائیں جانب ہو رہی رہا تھا کہ کوچ ہوا دیتی ہو گزر گئی۔ اگر آپ کی ہدایت کے مطابق پوری طرح بائیں جانب چلا گیا ہوتا تو میں، آپ اور بائیک کوچ کے نچلے حصے سے چپکے ہوئے ہوتے۔''

''ہم نے ٹھیک کہا تھا'' ہم نے اصرار کیا ''تو نے بائیک بائیں جانب نہیں، دائیں جانب کی تھی۔''

''میں نے بائیں جانب کی تھی۔''

پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر اچانک ہی سوجھ گئی۔ ''دیکھ اللہ دتے، ہمارے لیے جو بائیں جانب ہے، وہ تیرے لیے دائیں جانب ہوتی ہے۔ ہم دونوں کا رخ مخالف سمت ہے نا۔ تو ہماری بتائی ہوئی سمت کو الٹ کر عمل کیا کر۔''

''یہ تو مشکل ہے سر جی، میں ایسا کروں گا تو دھیان بٹے گا۔ آپ جو دیکھیں اسے الٹ کر بتایا کریں۔''

یہ اور مصیبت ہو گئی۔ اب ہمیں دائیں کو بایاں اور بائیں اور دایاں کہنا تھا۔ بڑی اذیت کے بعد یہ عادت پختہ ہوئی۔ ورنہ تو گڑبڑانے اور تصحیح کرنے کی وجہ سے کئی حادثے ہوتے ہوتے رہ گئے۔ بس ہماری قسمت ہی اچھی تھی۔ اس روز ہم شاہراہ فیصل پر کنٹری کر رہے تھے۔ بچھے حالات پرسکون ہیں۔ سب گاڑیاں مناسب رفتار سے چل رہی ہیں۔ آگے ڈیڑھ کلومیٹر دور، سگنل کی بتی سرخ ہے۔ اب سبز ہو گئی......''

''سر جی، آپ کی دور کی نظر بہت اچھی ہے'' اللہ دتے نے ستائشی لہجے میں کہا ''مجھے تو سگنل بھی ابھی تک نظر نہیں آیا۔''

ہم اس پر خوش ہو رہے تھے کہ ہماری بائیک نے پیچھے آنے والے ٹرک کو شاید اکسا دیا۔ ڈرائیور جارحیت پر آمادہ ہوا۔ اچانک ہی اس نے بتدریج رفتار بڑھانا شروع کر دی۔ ہم نے فوراً اللہ دتا کو مطلع کیا۔ ''بچھے ٹرک کی رفتار بڑھ رہی ہے۔ فاصلہ کم ہو رہا ہے مگر ٹرک ابھی ہم سے تیس میٹر بچھے ہے...... نہیں اب پچیس میٹر سمجھو'' یہ کہتے کہتے ہمارے لہجے میں تشویش در آئی ''اللہ دتا...... بائیں جانب گھما، ٹرک دائیں پہلو سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ فاصلہ بیس...... نہیں اٹھارہ میٹر۔ ارے نہیں...... دائیں جانب......'' ٹرک والے نے ہمارے ساتھ ہی اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا ''ٹرک اب بائیں جانب سے آ رہا ہے۔ دائیں جانب گھما...... ارے نہیں......''

ٹرک والا شرارت پر آمادہ تھا۔ وہ صرف ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ فاصلہ اب بمشکل پانچ میٹر ہو گا۔ ہم نے یہ تمام تشویش ناک خبریں نشر کرتے ہوئے اللہ دتا کو ہدایت دی ''اللہ دتے، اپر لگا...... ہمارا مطلب ہے رفتار بڑھا...... خدا کے لیے، جلدی کر۔''

مگر اللہ دتا پرسکون تھا۔ اسے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہی نہیں تھا۔ اس نے رفتار بڑھائی تو ٹرک کی رفتار بھی بڑھ گئی۔ اب اس مردود اور نابکار ٹرک کی گرم گرم سانسیں ہمارے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ ان سے بچنے کے لیے ہم نے جو چہرہ گھمایا تو آئینے میں ایک گڑھا نظر آیا ''اللہ دتے، گڑھا......'' ہم بے ساختہ چلائے ''کوئی دس گز دور ہے۔''

اللہ دتا نے بائیک کی رفتار کم کر دی۔ ٹرک اور قریب آ گیا۔ اب وہ بائیک کے کیریئر کو چومتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اچھا بتایا آپ نے'' اللہ دتا نے اس خطرناک لمحے میں ہمیں داد دی ''اس گڑھے سے تو میں ایسی صفائی سے نکلوں گا کہ یہ بھی حیران رہ جائے

گا۔"

"گڑھے کو دفع کر اللہ دتے" ہم چلائے۔"اس ٹرک سے ہمیں بچا۔ یہ ہم پر چڑھا آ رہا ہے۔"

لیکن اللہ دتا کو اب صرف گڑھے کی فکر تھی۔ ہمیں یہ ڈر تھا کہ بائیک اور ٹرک بیک وقت اس گڑھے میں اتریں گے تو گڑھے میں سے طلوع صرف ٹرک ہوگا اور ہمارا اور اللہ دتے کا سرمہ۔ اور یہ انجام بہت قریب تھا۔ ہر احتیاط بالائے طاق رکھ کر ہم نے پلٹ کر سامنے دیکھا۔ فوراً ہی بچت کا راستہ نظر آ گیا۔ ہم نے چیخ کر کہا "ایمرجنسی اللہ دتے۔ بائیں جانب کا سگنل کھلا ہے اور اس وقت۔ پوری رفتار سے اس پر مور لے۔"

اللہ دتا نے ہماری ہدایت پر عمل کیا۔ رفتار زیادہ ہونے کی وجہ سے گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھ گئی مگر توازن برقرار نہ رہا۔ ہم تینوں گر گئے۔ یعنی بائیک بھی۔ چوٹ کسی کو نہیں آئی۔ چند لمحوں میں اوسان ٹھکانے آ گئے۔"

"یہ کیا ہوا سر جی!"

"ہم نے حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تجھے گڑھے اور ٹرک، دونوں سے بچا لیا ہے" ہم نے قدرے فخریہ لہجے میں کہا۔

اللہ دتا نے دونوں مذکورہ چیزوں کا جائزہ لیا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔ گڑھا تو بہت بڑا ہے مگر ٹرک چھوٹا تھا۔ آپ خواہ مخواہ گھبرا گئے" اس نے دور جاتے ہوئے ٹرک کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔

"بکواس مت کر۔ وہ پورا ٹرک تھا اور اتنے قریب سے جمبو جیٹ لگ رہا تھا۔"

اچانک اللہ دتا کو ہماری تیکنیکی غلطی نظر آ گئی "یہ کیا سر جی، بائیں جانب نہ کوئی سگنل ہے نہ سڑک۔ آپ نے گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھوا دی۔

چند لمحے سوچنے کے بعد ہم پر روشن ہوا کہ ہمارا سمتوں کا شعور ہمیشہ کے لیے الٹ چکا ہے ہمیں الٹا بتانے کی عادت ہو گئی تھی اور کیونکہ ہم نے پلٹ کر سامنے دیکھتے ہوئے اللہ دتا کو ہدایت دی تھی، لہٰذا وہ اس کے لیے الٹی ثابت ہوئی۔ یہ محض خوش قسمتی تھی کہ اس کا بھیانک نتیجہ نہیں نکلا۔

"اور سر جی، آپ بیک وقت دو آفتوں کی اطلاع نشر نہ کیا کریں۔ میں کنفیوژ ہو جاتا ہوں" اللہ دتا نے ہمیں مزید جھاڑا۔

"تو انگریزی پر رحم فرما" ہم نے جواب میں اسے لتاڑا "ایس اور زید کو جے اور جی میں تبدیل نہ کر۔ اردو تو جھیل لیتی ہے۔ انگریزی بے چاری تو فوت بھی ہو جائے گی۔"

"سر جی، ہم نے عرج کیا کہ بیک وقت......"

"اب بیک وقت ایک درجن آفتیں نازل ہوں تو ہم کیا کریں؟" ہم نے بھنا کر کہا۔

"ترجیحی بنیاد پر سب سے خطرناک اطلاع مجھے دیں۔ باقی کے لیے اللہ سے دعا کیا کریں۔"

"ابھی ہم اتنے اللہ والے نہیں ہوئے۔ تیری اور بائیک کی صحبت رہی تو ہو جائیں گے۔"

ہمیں بڑی شدت سے احساس تھا کہ ہم بڑی مصیبت میں ہیں۔ اللہ دتا نے بیک ویو مررز کو فرنٹ ویو مررز میں تبدیل کر کے ہمیں اس مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ اس آئینے میں دیکھتے ہوئے ہمارے لیے بائیک اور متوقع آفت کے درمیان فاصلے کا درستی کے ساتھ تعین کرنا بے حد دشوار تھا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ پیچھے کی آفتوں پر بھی نظر رکھنی پڑتی تھی۔

پھر ایک دن ایک حادثہ ہو گیا! ہم غریب آباد کی چورنگی سے حسین آباد کی چورنگی کی طرف جا رہے تھے۔ یہاں راستے میں ایک ریلوے کراسنگ اور متعدد اسپیڈ بریکر پڑتے ہیں۔ اتنے خطرناک اسپیڈ بریکر ہم نے کہیں نہیں دیکھے۔ کسی بھی گاڑی میں بیٹھ کر ان پر سے گزریے، ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ کو اونٹ کی سواری کا لطف آ جائے گا مگر یہ معلومات ہماری ابھی کی ہیں۔ اس حادثے کے وقت ہمیں ان سب باتوں کا علم نہیں تھا۔

ہوا یوں کہ ہم نے اپنے سامنے والے آئینوں میں ریل کی پٹڑی اور ایک اسپیڈ بریکر دیکھا "اللہ دتے، آگے پہلے ریلوے لائن اور پھر اسپید بریکر ہے" ہم نے اطلاع دی۔

"ریلوے لائن کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ ایسے گزروں گا کہ پتا ہی نہیں چلے گا" اللہ دتا نے بے پروائی سے کہا۔

''کیسے پتا نہیں چلے گا؟''

''ریلوے لائن کو سر جی۔اب آپ مجھے اسپیڈ بریکر کے متعلق بتائیں۔''

''اسپیڈ بریکر درجہ اول معلوم ہوتا ہے۔تلوار کی طرح نوک ہے اس کی۔اونچائی سطح سمندر سے تقریباً ایک فٹ او پر لگ رہی ہے۔''

''یہ نقشہ اسپیڈ بریکر کا تو نہیں لگتا سر جی'' اللہ دتا نے شک آمیز لہجے میں کہا۔

''تو پھر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ سڑک کے کب نکل آیا ہے۔یا یہ سمجھ لے کہ سڑک اونٹ ہوگئی ہے'' ہم نے جواب دیا اور فوراً ہی آئینے میں منظر دیکھ کر نکلڑا لگا ''ایک نہیں، دو کوہان والی۔''

اتنی دیر میں بائیک ریلوے لائن پر پھدکتی ہوئی اسپیڈ بریکر تک پہنچ گئی تھی۔اللہ دتا نے رفتار کم نہیں کی تھی۔بائیک اسپیڈ بریکر پر چڑھنے کے بعد اچھلی۔اب موٹر سائیکل ہی میں اچھلنے کا کوئی سسٹم تھا یا اسپیڈ بریکر گاڑیوں کو اچھالنے کے ہنر سے مالا مال تھا، ہم نہیں کہہ سکتے۔بہر کیف ہم نے خود کو فضا میں اڑتے دیکھا۔خوش آئند بات یہ تھی کہ اللہ دتا بھی ہمارے ساتھ تقریباً اتنی ہی بلندی پر محو پرواز تھا اور اس کے ہاتھوں کی پوزیشن بتا رہی تھی کہ اس نے بائیک کا ہینڈل تھاما ہوا ہے۔بائیک کے بارے میں یقین سے اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے نیچے اس کی سیٹ بہر حال نہیں تھی۔پر ہم نے موٹر سائیکل کو لینڈ کرتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ دوسرے اسپیڈ بریکر اور سڑک کے نقطہ اتصال سے چھ انچ پیچھے لینڈ کر رہی ہے۔لینڈ کرتے ہی بائیک نے پھر ٹیک آف کیا۔اس کی اگلی لینڈنگ کے بارے میں ہم قیاس ہی کر سکتے ہیں کہ وہ عین تیسرے اسپیڈ بریکر کے اوپر ہوئی ہوگی۔یقین سے جو کہا جا سکتا ہے، وہ بس یہ ہے کہ دوسری لینڈنگ کے ساتھ ہی ہم اچھل کر دائیں جانب گرے۔اللہ دتے نے بائیں جانب لینڈ کیا اور موٹر سائیکل پہلو کے بل بیچ سڑک پر لیٹی نظر آئی۔اس کا پہیہ چلے جا رہا تھا اور شاید پریشان تھا کہ بائیک آگے کیوں نہیں بڑھ رہی ہے۔

ہم نے خود کو ٹٹولا۔ثابت وسالم پا کر اللہ دتے کی طرف متوجہ کی۔وہ حواس باختہ نظر آ رہا تھا لیکن زخمی نہیں تھا۔البتہ بائیک کو کھڑا کر کے دیکھا تو پتا چلا کہ اس کا حال خراب ہے۔اس کی گردن میں جھٹکا آیا تھا۔چلانے کی صورت میں وہ بمشکل چھوٹے سے دائرے میں گھوم سکتی تھی یعنی سیدھی چلنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی تھی۔چنانچہ اسے مکینک کے پاس پہنچا دیا گیا۔

کانفرنس روم میں ہمارے اور اللہ دتا کے درمیان اس حادثے کے متعلق گفتگو ہوئی ''سر جی، اس حادثے کے جے دار بھی آپ ہیں'' اللہ دتا نے کہا۔

''ہرگز نہیں۔ہم نے تجھے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔''

''تو ریلوے لائن اور پہلے اسپیڈ بریکر سے میں نے گاڑی صفائی سے نکال لی تھی'' اللہ دتا نے کہا ''بات دوسرے اسپیڈ بریکر کی......''

''ہم نے وہ بھی بتا دیا تھا۔ہم نے کہا نہیں تھا کہ ایک نہیں، دو کوہان نظر آ رہے ہیں۔''

''میں دوسرے سے بھی گجر گیا تھا مگر تیسرے کی مجھے خبر ہی نہیں تھی۔''

''ہوتی بھی تو کیا کر لیتا'' ہم نے غصے سے کہا ''تیسرے پر تو بائیک براہِ راست گئی تھی۔وہ تمام اسپیڈ بریکر ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔''

''اللہ دتا نے اس وقت تک ہمیں بے قصور تسلیم نہیں کیا جب تک جائے حادثہ کا تفصیلی معائنہ نہ کر لیا۔ہماری بریت کے بعد اسے بائیک کی فکر ہوئی۔بائیک تین دن مکینک کے پاس رہی اور اللہ دتا بائیک کے پاس۔صرف رات کو سونے کے لیے گھر آتا تھا۔ہمیں پہلی بار احساس ہوا کہ اسے بائیک سے کتنی محبت ہے۔بائیک کی نحوست سے وقتی نجات ملی تو اگلی صبح ہم بہت سویرے اٹھے۔بیگم تو ماشاءاللہ ویسے ہی سحر خیز تھیں۔ہم بیگم کے ساتھ لان میں چہل قدمی کر رہے تھے۔بڑا روح پرور سماں تھا۔صبح کے وقت کا حسن ہی کچھ اور ہے مگر اچانک ہی ہم پر خوف طاری ہو گیا۔ہم تھر تھر کانپنے لگے۔

بیگم نے ہمیں غور سے دیکھا اور حیرت سے پوچھا ''آپ کو کیا ہوا؟''

''وو...... دیکھ نہیں رہیں، تق...... قیامت آرہی ہے'' ہماری آواز بھی تھرتھرا رہی تھی۔

بیگم ذرا گھبرا گئیں۔ انہوں نے چاروں طرف دیکھا ''کہاں آرہی ہے، کہاں سے آرہی ہے؟''

''وو...... وہ...... سورج کو دیکھیں۔''

بیگم نے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھا اور کہا ''تو کیا ہوا۔ سورج تو روز نکلتا ہے۔''

''اللہ کی بندی، روز مشرق سے نکلتا تھا، آج مغرب سے نکل رہا ہے۔''

''طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی'' بیگم نے ہمیں تشویش سے دیکھتے ہوئے کہا ''مشرق ہی سے تو نکل رہا ہے۔''

''زبان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے آپ کے پاس۔ اوپری منزل بالکل خالی ہے'' ہم نے بھنا کر کہا ''یہ مغرب ہے بیگم۔''

زبان اور دماغ پر بیک وقت حملے کی وجہ سے بیگم کو بھی تاؤ آ گیا۔ ''بڑے عقل مند بنتے ہیں آپ۔ ذرا مشرق کو مغرب ثابت تو کریں۔''

ہم نے انہیں گیٹ کے رخ پر کھڑا کر دیا۔ پھر خود بھی اس رخ پر کھڑے ہو کر انہیں بچوں کی طرح سمجھانے لگے ''دیکھیں، ہمارا گھر نارتھ او بن ہے تو یہ سامنے شمال ہی ہوا نا۔''

''جی ہاں۔''

''پیچھے جنوب، دائیں مشرق اور بائیں جانب مغرب۔''

''بالکل ٹھیک۔''

''اب خود دیکھ لیں۔ ہماری بائیں جانب یعنی مغرب سے سورج طلوع ہو رہا ہے۔''

بیگم نے عجیب سی نظروں سے ہمیں دیکھا اور ہنسنے لگیں تا دیر وہ ہنستی رہیں اور ہم ہمدردی سے انہیں دیکھتے رہے کیونکہ یقینی طور پر ان کا دماغ چل گیا تھا۔ بڑی کوشش کے بعد انہوں نے ہنسی پر قابو پایا ''جسے آپ بائیں جانب کہہ رہے ہیں، وہ دائیں ہے اور یہ مغرب نہیں، مشرق ہے۔''

''ہرگز نہیں۔ یہ ہمارا بایاں ہاتھ ہے'' ہم نے اپنے داہنے ہاتھ کو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا ''اور اس طرف مغرب ہے۔''

''ہم نے اتنی کم عمری میں کسی کو سٹھیاتے نہیں دیکھا تھا'' بیگم نے متاسف ہو کر کہا ''کیا پتا تھا کہ یہ واقعہ اپنے گھر میں دیکھنا پڑے گا۔''

''ثابت کیے بغیر اتنی بری بری باتیں کر رہی ہیں آپ۔''

''اچھا، یہ بتائیں باتھ روم میں کون سا ہاتھ استعمال کرتے ہیں؟''

ہم نے بے ساختہ بایاں ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر یوں کھڑا کر دیا جیسے باکسنگ کے کسی مقابلے میں ہماری فتح کا اعلان کر رہی ہوں ''اب خود دیکھ لیں، یہ بایاں ہاتھ ہے۔ اس طرف مغرب ہے اور سورج دوسری طرف...... یعنی مشرق سے طلوع ہو رہا ہے۔''

ہم نے دیکھا اور کھسیا کر رہ گئے ''ہم تو سمجھے تھے کہ بس قیامت آ گئی۔''

بیگم اسی لمحے سجدہ ریز ہو گئیں ''اے اللہ، تیرا شکر ہے'' انہوں نے بلند آواز میں کہا ''ہمارے شوہر کا ایمان سلامت ہے اور یہ ناپاک نہیں ہوئے۔ دماغ کی کوئی بات نہیں، اس کے بغیر کام چل ہی جاتا ہے۔ بس تو ایمان سلامت رکھیو۔''

ہمیں طیش آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو ہم نے غصے سے کہا ''یہ سب اس منحوس بائیک کا کیا دھرا ہے۔''

''بھائی صاحب کے تحفے کو کچھ نہ کہیں۔ یہ سب اس منحوس ڈرائیور کی وجہ سے ہے۔''

''تو اپنے بھائی سے کہو کہ دوسرا ڈرائیور دلوا دیں کہیں سے۔''

ویسے بات ٹھیک ہی تھی۔ اللہ دتا نے ہماری سمتیں، ہمارا الٹا سیدھا الٹ کر رکھ دیا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ہم نے کسی کو پتا غلط سمجھا دیا۔ خیال آیا تو الٹے کو سیدھا کرنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے۔ بدمزگی ہوئی۔ کبھی ہماری وجہ سے کسی نے غلط دروازے پر دستک دے دی اور اس کے نتیجے میں جھگڑا ہوا۔ ان باتوں سے گھبرا کر ہم نے تہیہ کر لیا کہ کبھی کسی کو راستہ نہیں دکھائیں گے۔

ایک رات ہم سلیپنگ سوٹ پہنے اپنے لان میں چہل قدمی کر رہے تھے کہ کسی نے گیٹ کی سلاخوں میں جھانکتے ہوئے پکارا ''معاف کیجئے گا جناب۔ افضال احمد صدیقی صاحب کا پتا پوچھنا ہے، بتا سکیں گے؟''

ہم نے معذرت کر لی ''معاف کرنا بھائی۔ ہم یہاں رہتے نہیں ہیں۔ مہمان آئے ہوئے ہیں'' حالانکہ ہمیں معلوم تھا کہ افضال صاحب دائیں جانب کے تیسرے مکان میں رہتے ہیں۔ لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ ہمارا دائیں جانب واقعی دائیں جانب ہی ہو۔ رفع شر کے لیے لاعلمی ہی بہتر تھی۔

وہ صاحب پانچ منٹ تک ہمیں بڑی بے یقینی سے دیکھتے رہے۔ شاید ان کا خیال تھا کہ ہم مذاق کر رہے ہیں۔ پھر انہوں نے بے حد کریہہ الصوت حروف سے لدے پھندے بے حد کریہہ الصوت لفظوں سے ہمیں نوازا اور پاؤں پٹختے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اگر آپ عقب نما آئینوں کو موٹر سائیکل کے پیچھے نصب کرانے کے متعلق سوچیں تو اللہ دتا کی ایک اور نمایاں خوبی سے واقف ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے آپ کا نکتہ رس ہونا بہت ضروری ہے۔ خیر، آپ نہ الجھیے۔ ہم بتائے دیتے ہیں۔ دراصل اللہ دتا کے اندر ایک شاطر جرنیل بھی چھپا ہوا تھا لیکن ٹھہریئے...... یہ خوبی اس کی ایک اور خوبی کی مرہونِ منت تھی۔ اب یہاں ہمارے لیے تقدیم و تاخیر کا وہی مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے شہر کی تقریباً ہر ادبی انجمن کا دھڑن تختہ ہو چکا ہے اور بیشتر شعرا کے درمیان جنگ و جدال کی نوبت آ چکی ہے۔ بہر حال ہم اپنے طور پر انصاف کرنے کی کوشش کریں گے۔

تو اللہ دتا کے اندر ایک شاطر جرنیل کی موجودگی کا سبب اس کا ذہین اور طباع ہونا تھا۔ اس کی ذہانت ایسے نت نئے راستے اور روٹ تراشتی کہ ہم اپنے ہی شہر میں اجنبی ہو کر رہ جاتے۔ مثلاً ہمیں طارق روڈ جانا ہے۔ ہم اللہ دتا کو بتاتے اور وہ بہت زور زور سے سر ہلاتا ''ٹھیک ہے سر جی۔ پہنچا دیں گے۔''

اب چنیسر ہالٹ سے آگے جا کر وہ شاہراہِ فیصل پر دائیں جانب مڑ جاتا اور سرپٹ دوڑا دیتا۔ ہم حیرت کے زیرِ اثر دم بخود رہتے۔ ہوش آتا تو ڈرگ روڈ کے قریب ہوتے ''ابے...... کہاں لے جا رہا ہے ہمیں؟'' ہم احتجاج کرتے ''ہمیں طارق روڈ جانا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں سر جی۔ وہیں پہنچاؤں گا'' وہ اطمینان سے کہتا اور بائیک کو ڈرائیوان والی سڑک پر موڑ لیتا۔ پھر وضاحت کرتا۔ ''سر جی، مجھے یہ شاہراہ فیصل بہت اچھی لگتی ہے۔ یہاں لطف آ جاتا ہے موٹر سائیکل چلانے کا۔''

''ہمیں بالکل اچھا نہیں لگتا یہ روڈ۔ کمتری کر کر کے باؤلے ہو جاتے ہیں'' ہم نے کہا ''اور پھر تک کیا تھی ادھر مرنے کی۔ خواہ مخواہ راستہ لمبا کیا۔''

''اسٹیڈیم ہوتے ہوئے چلیں گے سر جی'' اللہ دتا نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم دہل گئے ''وہاں کوئی میچ ہو رہا ہے۔''

''تو کیا سڑک سے میچ نظر آئے گا'' ہم نے بھنا کر کہا ''اور تو بلٹ کے نہ دیکھا کر۔''

''تو سر جی، حسن اسکوائر کی طرف چلے چلیں گے۔ میچ بھی دیکھ لیجئے گا۔''

''ہمیں نہیں دیکھنا میچ''

''مگر اللہ دتا جب کوئی فیصلہ کر لے تو اس پر ڈٹ جاتا ہے۔ اسٹیڈیم سے اس نے گاڑی حسن اسکوائر کی طرف موڑ لی۔ پھر سر گھما کر اسٹیڈیم کا جائزہ لیتے ہوئے مایوسی سے کہا ''میچ ہو ہی نہیں رہا ہے، مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔''

ہمارا دماغ گھوم کے رہ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اللہ دتا نے کہا ''میں اسلیے اس راستے سے آیا ہوں سر جی کہ یہاں گڑھے بالکل نہیں ہیں۔''

''وہ...... وہ...... تو......'' غصے سے ہمارا برا حال تھا۔ لفظ بھی گھٹ کر رہ گئے تھے۔ عین اسی لمحے ہمیں ایک گڑھا نظر آیا۔ وہ اس قدر نزدیک تھا

کہ اللہ دتا کو اطلاع دینا بے سود ہی تھا۔

''دیکھیں نا سر جی، کتنی صاف سڑک ہے'' گڑھے سے بائیک طلوع ہوتے ہی اللہ دتا نے فخریہ لہجے میں کہا'' ایک گڑھا بھی نہیں ہے اس سڑک پر۔''

ہم اپنا سر پیٹنے کا محض ارادہ کر کے رہ گئے کیونکہ ہم نے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے کیریئر تھاما ہوا تھا۔ الٹا بیٹھنے کی صورت میں بائیک کسی گڑھے میں اترتی تو وہ اللہ دتا کی نسبت ہمارے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا۔ ہم سمجھ نہیں پائے کہ اللہ دتا ایسا کیوں کرتا ہے مگر پھر بات سمجھ میں آ ہی گئی۔ ایک دن ہمیں ڈیفنس سے ملیر جانا تھا۔ کم بخت ہمیں لالوکھیت لے گیا۔ وہاں سے ''بی'' روٹ کی ویگن کا پیچھا پکڑا تو ملیر ہی پہنچ کر چھوڑا۔ تب ہم پر منکشف ہوا کہ وہ کراچی کے بیشتر علاقوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور اگر جانتا ہے تو بسوں اور منی بسوں کے روٹس کے حوالے سے جانتا ہے۔ چنانچہ کہیں جانے کے لیے کسی دور دراز کے بس یا منی بس کے روٹ کی مدد لیتا ہے۔ ورنہ اللہ توکل کر کے چل دیتا ہے۔ وجدان ہی راستہ دکھائے تو دکھائے۔ خوددار آدمی ہے۔ لہٰذا اس اعتراف میں توہین محسوس کرتا ہے کہ اسے راستہ معلوم نہیں۔

بائیک کے پٹرول کا خرچ بھی سالار جنگ کے ذمے تھا۔ ایک روز ان کا فون آ گیا۔ آواز سے گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے'' کیا آپ نے موٹر سائیکل فروخت کر کے بس خرید لی ہے چھوٹے بھائی جان!'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں تو۔ یہ خیال کیوں آیا آپ کو؟''

''آج ہم پٹرول پمپ کے بل کی ادائیگی کے لیے گئے تھے۔ اتنا خرچ تو ہماری گاڑی کا بھی نہیں۔''

''ہم اس سلسلے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟''

''یا پھر آپ تمام وقت موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گھومتے ہوں گے۔''

''ایسی بھی کوئی بات نہیں'' ہم نے کہا'' آپ کہیں تو ہم بائیک سے دستبردار ہو جائیں؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن......''

''اچانک بات ہماری سمجھ میں آ گئی'' ہم نے کہا'' اس کا ذمے دار اللہ دتا ہے۔ راستوں کا اسے پتا نہیں۔ لہٰذا برانی نمائش سے گرومندر جانے میں ہمیں پورا شہر گھما دیتا ہے۔ وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور پٹرول بھی۔''

''اس سلسلے میں تو کچھ کرنا چاہیے۔''

''دو ہی صورتیں ہیں'' ہم نے کہا'' یا دوسرا ڈرائیور دلوا دیجئے یا تحفہ واپس لے لیجیے۔''

وہ لاجواب ہو گئے۔

خیر صاحب، سالارِ جنگ کے مصائب صرف مالی تھے...... اور وہ ان کے مستحق بھی تھے۔ مگر ہم بڑی مصیبت میں تھے۔ اللہ دتا کو تو صرف گاڑی چلانی ہوتی تھی۔ باقی سب کچھ ہمارے ذمے تھا۔ ہم نیوی گیٹر تھے۔ بولتے بولتے ہمارے جبڑے دکھ جاتے تھے۔ بولتا اللہ دتا بھی مسلسل تھا مگر اس کے جبڑے نہیں دکھتے تھے۔ وہ عادی تھا بولنے کا۔ آپ سے سچ کہہ رہے ہیں کہ ون وے ٹریفک میں تو پھر عافیت تھی مگر ٹو وے روڈ پر ہمارا دم نکلنے لگتا تھا۔ دونوں طرف کی نہ صرف خبر رکھنی ہوتی تھی بلکہ اس سے اللہ دتا کو بھی باخبر رکھنا ہوتا تھا جو اس دوران میں خود بھی نان اسٹاپ بولتا تھا اور آخر میں ہر حادثے میں ہم ہی ذمے دار قرار پاتے تھے۔ اس رات ہم گھر واپس آ رہے تھے۔ وہ ایک ٹو وے روڈ تھا۔ ایک اچھی بات تھی...... اور وہ یہ کہ ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ چنانچہ ٹو وے ٹریفک کے باوجود ہم خاصے پرسکون تھے۔ کمنٹری ہماری جاری تھی۔ ادھر اللہ دتا بھی مسلسل بول رہا تھا۔ کچھ اس قسم کی فضا تھی......

''عقب سے ایک گاری اوورٹیک کرنا چاہتی ہے۔ اللہ دتے، بائیں جانب...... ہاں، سامنے ایک اسپید بریکر ہے اور اس کے فوراً بعد گرھا......''

''گڑھے اور اسپیڈ بریکر کا سائز بتایئے سر جی۔''

''ایک ہی سائز ہے۔اسپیڈ بریکر کو گڑھے پر رکھا جائے تو سڑک ہموار ہو جائے گی۔''

''بس آپ فکر ہی نہ کریں سرجی!''

''مجھے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔آگے چالیس میٹر دور ایک بڑے میاں سڑک پار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں.....''ہم کہہ رہے تھے۔

''یہ حکومت فضول میں مہنگائی بڑھائے جا رہی ہے سرجی۔میں تو سوچتا ہوں کہ آپ کی گجر بسر کیسے ہوگی.....''اللہ دتا اپنی بول رہا تھا۔

''سامنے ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہے۔البتہ آگے ایک ٹھیلا ہے اللہ دتے۔اسے بچانا ہوگا۔وہ اپنی سائیڈ پر ہے۔''

''جندگی عجاب بنا دی ہے جرداروں نے سرجی۔جرا سا موقع ملا اور ایک ٹیکس جڑ ا جلیلوں نے۔اب غریب آدمی جہر تلاش کرے تو وہ بھی نہ ملے.....''

اچانک ہم نے آئینے میں ایک ٹرک کو دیکھا۔روڈ خالی ہونے کی وجہ سے وہ خطرناک رفتار سے آ رہا تھا۔ہم نے فوراً ہنگامی حالات کا اعلان کیا''اللہ دتے،ہشیار۔سامنے سے ایک ترک آ رہا ہے۔''

''اللہ دتا نے اپنی نظر استعمال کی۔ایک لمحے بعد وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا''سرجی،آپ کی بھی نجر کمجور ہوگئی ہے بلکہ نہیں.....طاقت ور ہو گئی ہے۔موٹر سائیکل بھی آپ کو ٹرک نجر آنے لگی ہے۔''

ہم نے پھر آئینے میں دیکھا۔وہ ٹرک ہی تھا۔بس اس کی ہیڈ لائٹس میں صرف ایک کام کر رہی تھی۔ایک بے کار تھی''وہ ترک ہی ہے اللہ دتے۔اس کی ایک لائٹ خراب ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں سرجی۔اپنی نجر بھی کام کرتی ہے.....''

اتنے میں ٹرک بالکل قریب آ چکا تھا۔ہم نے بلند آواز میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔اب اس وقت ہم یہ تو نہیں بتا سکتے کہ ٹرک کی داہنی لائٹ خراب ہے یا بائیں۔اتنا بتا سکتے ہیں کہ ہماری طرف والی لائٹ خراب تھی اور اللہ دتا اسے موٹر سائیکل سمجھتے ہوئے اسے سائیڈ مارنے پر مصر تھا۔''خدا کے لیے اللہ دتے،بائیں جانب گھما.....''ہم بلبلا کر چیخے۔

پتا نہیں،ہماری چیخ کا اثر تھا یا قریب آنے پر اللہ دتا کو ٹرک نظر آ گیا۔اس نے گھبرا کر بائیک کو پوری طاقت سے بائیں جانب موڑا۔اس کے نتیجے میں بائیک کا کیریئر اور ہم خود ٹرک کے سامنے لقمۂ تر کی حیثیت سے پیش ہوگئے۔وہ تو خدا نے خیر کی۔بات زن کی شدید آواز اور ہوا کے ایک طوفانی جھکڑ پر ٹل گئی۔ٹرک گزر گیا۔ادھر بائیک ٹھیلے سے ٹکرائی۔رفتار زیادہ تھی۔پھر بھی ٹکر ہوتے ہی ہم نے تو چھلانگ لگا دی۔اللہ دتا اڑتا ہوا ٹھیلے پر جا گرا۔اللہ نے ایک اور کرم یہ فرمایا کہ ٹھیلے پر انگور نہیں تھے۔ورنہ اس کا نقصان ہمیں پورا کرنا پڑتا مگر ہوا یہ کہ ٹھیلے پر تربوز تھے۔اللہ دتا تربوز کے متعدد دانوں سے پھسلتا ہوا دوسری طرف جا گرا اور لگا کمر پکڑ کر ہائے ہائے کرنے۔ہم نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔اور خوب پھٹکارا''کم بخت.....خود انحصاری کے عادی۔ہم بتا رہے تھے کہ وہ ٹرک ہے۔اور تو کہہ رہا تھا.....آپ کی نجر کمجور ہوگئی ہے سرجی۔موٹر سائیکل ترک لگ رہی ہے۔''ہم نے اس کی نقل اتاری۔''بوقت ہوش نہ آتا تو اس وقت موٹر سائیکل سمیت ترک کے ساتھ گھسٹ رہے ہوتے دونوں۔''

اس روز پہلی بار اللہ دتا نے غلطی کا اعتراف کیا اور یہ عہد کیا کہ آئندہ نیوی گیٹر پر ہی انحصار کرے گا۔بائیک بہر حال اسپتال میں ایڈمٹ ہوگئی۔

۞.....۞.....۞

اس روز بیگم نے ہمیں اطلاع دی کہ شام سات بجے ایک سسرالی عزیز کے ہاں ہماری دعوت ہے۔ وہ عزیز ماڈل کالونی میں رہتے تھے۔ ''ساتھ ہی چلیں گے۔'' آخر میں بیگم نے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے بیگم!'' ہم نے سرد آہ بھر کر کہا ''ہماری بائیک اور آپ کی ییلو کیب میں بنے گی نہیں۔''

''کچھ بھی ہو۔ ہم ساتھ ہی چلیں گے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے بیگم!''

''آپ کیب میں چلے چلیں۔''

''یہ بائیک کی توہین ہوگی۔ اس کے بعد تو ہمیں بائیک سالار جنگ کو واپس کرنی ہی پڑے گی۔''

بیگم گھبرائیں ''اس کی ضرورت نہیں۔ ہم بائیک پر ہی چلے چلیں گے۔''

''بائیک پر تین افراد نہیں بیٹھ سکتے۔''

''کیسے نہیں بیٹھ سکتے۔ ہم نے دیکھا ہے۔''

''ضرور دیکھا ہوگا مگر شاید ہماری موٹر سائیکل کو دیکھے آپ کو بہت عرصہ ہوگیا'' ہم نے کہا ''ایک منٹ، ہم ابھی آئے۔''

ہم نے جا کر اللہ دتا کو سمجھایا، اسے دس منٹ کا وقت دیا اور بیڈ روم میں واپس آ گئے ''بس تو ٹھیک ہے۔ ساتھ ہی چلیں گے'' بیگم نے سلسلہ کلام جوڑا۔ وہ گراموفون کی سوئی کی طرح اسی جگہ اٹکی ہوئی تھیں۔

''ابھی تھوڑی دیر بعد بات کریں گے اس پر۔''

''بات کیا کرنی ہے؟''

''ہم نے انہیں بارہ منٹ تک ادھر ادھر کی باتوں میں بہلائے رکھا۔ احتیاطاً اللہ دتا کو دو منٹ کا مارجن دینا ضروری تھا۔ بارہ منٹ بعد ہم نے کہا ''بیگم، ذرا کانفرنس روم میں تشریف لے چلیں۔''

ہم دونوں کانفرنس روم میں حاضر ہوئے تو ہماری بائیک برقع اوڑھے کھڑی نظر آئی۔ ہم نے بیگم سے کہا ''آپ نے بائیک پر تین سوار بارہا دیکھے ہیں تو موٹر سائیکل ہزاروں، لاکھوں بار دیکھی ہوگی۔ اب ذرا اس برقع پوش بائیک کو دیکھیں اور بتائیں کہ اس کا اگلا حصہ کون سا ہے اور پچھلا حصہ کون سا؟''

بیگم نے بائیک کا جائزہ لیا اور الجھی ہوئی نظر آنے لگیں۔ برقع کے اندر بائیک کے دونوں آئینے سینگوں کی طرح ابھرے ہوئے تھے۔ اسکی وجہ سے وہ سامنے والا حصہ لگ رہا تھا لیکن اگلے حصے کا ہینڈل کچھ اور کہہ رہا تھا۔ ''آپکی سمجھ میں تو موٹر سائیکل کا آگا پیچھا ہی نہیں آ رہا ہے'' ہم نے طنز کیا

''ایسی کوئی بات نہیں'' بیگم نے آئینے کا سینگ تھامتے ہوئے کہا۔

ہم نے برقع اتار کر موٹر سائیکل کا جلوہ کرایا ''ملاحظہ فرمایئے۔''

بیگم نے بالترتیب اور بالتفصیل تین ردعمل ظاہر کیے۔ پہلے وہ کھسیائیں۔ اپنی ناکامی پر۔ ہماری بائیک انہیں ایک ایسی عجیب الخلقت گائے لگی ہوگی، جس کے سینگ پیچھے ہوں اور دم آگے۔ پھر وہ ہنسیں اور خوب ہنسیں ''یہ کیا ہیئت کذائی بنادی ہے بائیک کی۔'' ہنسنے کے دوران میں انہوں نے کہا پھر انہیں غصہ آیا اور خوب آیا۔ ''یہ سب کیا ہے۔ سڑکوں پر اس حال میں پھرتے ہیں۔ مذاق اڑتا ہوگا۔''

''اڑتا ہے...... بہت اڑتا ہے'' ہم نے سر ہلا کر کہا ''مگر یہ جو کچھ ہے، قانون ضرورت کے تحت ہے۔''

''ذرا مجھے بھی تو سمجھائیں'' انہوں نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہم نے انہیں سمجھانا شروع کیا۔ ان کا عجیب عالم تھا۔ کبھی ہنستیں، کبھی دانت پیستیں اور کبھی آب دیدہ ہو جاتیں ''اب آپ بھی اس پر سوار ہونا چاہتی ہیں'' ہم نے دردناک لہجے میں کہا ''تین آدمیوں کے بیٹھنے کی صورت میں یہاں تین مقامات ہیں۔ اللہ دتے کا مقام تو آپ کو مل نہیں

سکتا۔ دوسرا مقام پچھلی سیٹ ہے۔ اس پر آپ کو معکوس حالت میں بیٹھ کر بیک وقت دو کام کرنے ہوں گے۔ پیچھے کے ٹریفک پر براہِ راست اور آگے کے ٹریفک پر آئینوں کی مدد سے نہ صرف نظر رکھنی ہوگی بلکہ اس کی کمنٹری بھی کرنی ہوگی۔ یہ کام آپ کے لیے دشوار ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کمنٹری تو آپ بہت تیز اور مسلسل کر سکتی ہیں مگر وہ ماضی کے واقعات کی ہوگی اور اس کے نتیجے میں اللہ دتا، ہم، آپ اور بائیک سب قصہ پارینہ بن جائیں گے۔ رہ گئی بیچ کی سیٹ تو اس پر آپ ہر رخ سے بیٹھ سکتی ہیں لیکن ہر رخ سے غیرت خاوندی جوش میں آئے گی۔ آپ کا اللہ دتا سے جپک کر بیٹھنا ہم کیسے گوارا کریں گے۔"

"یہ کیا بکواس ہے" بیگم نے پاؤں پٹخ کر کہا "مجھے کوئی دونوں جہاں کی دولت بھی دے تو میں اس بائیک پر نہ بیٹھوں۔ توہین کرانی ہے اپنی۔ مذاق اڑوانا ہے۔"

"چلیں...... یہ مسئلہ تو طے ہوگیا" ہم نے سکون کی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے بائیک کے اس حشر کا پتا بھی نہیں چلا۔ کب سے دیکھا ہی نہیں تھا بائیک کو۔"

"ہم نے احتیاط برتی ہے" ہم نے شرما کر کہا۔

"کیوں؟"

"پوری دنیا مذاق اُڑا لے، کوئی بات نہیں" ہم نے دردناک لہجے میں کہا "وہ تو وقتی بات ہوتی ہے لیکن گھر میں مذاق اڑ جائے تو زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔"

"مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے" بیگم پر بھی رقت طاری ہونے لگی "خیر، میں دیکھوں گی اس اللہ دتا کو۔"

"اس کا کوئی قصور نہیں۔ حل بس یہی ہے کہ ہم بائیک سالار جنگ کو واپس کر دیں۔"

یہ سنتے ہی بیگم گھبرا گئیں "خیر چھوڑیں اس بات کو۔ میں فون کر کے کیب منگالوں گی بھائی صاحب والی۔ آپ بھی اس میں چلیے گا۔"

"یہ ناممکن ہے جب تک بائیک موجود ہے، ہم اس پر سفر کریں گے۔"

"چلیں ٹھیک ہے" وہ اس پر بھی مان گئیں۔ سالار جنگ کا وہ بہت لحاظ کرتی تھیں۔

✿......✿......✿

شام چھ بجے ہم دفتر سے اٹھنے ہی والے تھے کہ بیگم کا فون آگیا۔ "بس میں نکلنے ہی والی ہوں" انہوں نے اطلاع دی "گاڑی آگئی ہے۔"

"ہم اٹھ ہی رہے تھے" ہم نے بتایا۔ "بس ہم روانہ ہو رہے ہیں۔"

"ساتھ ہی پہنچیں گے" بیگم نے خیال آرائی کی۔

"ہمیں ایسی کوئی امید نہیں تھی لیکن کال طویل ہو جانے کے ڈر سے ہم نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ہم باہر نکلے تو اللہ دتا کسی سائیس کی طرح چوکس کھڑا تھا "ماڈل کالونی جانا ہے" ہم نے اسے بتایا۔

"لے چلیں گے صاحب" اس نے ٹیکسی ڈرائیوروں کے انداز میں کہا۔

"پٹرول دلواتے ہوئے چلو۔"

اللہ دتا نے اس پٹرول پمپ سے ٹنکی فل کرائی، جہاں سالار جنگ کا حساب چلتا تھا۔ پھر سفر شروع ہوگیا۔ ٹریفک اتنا زیادہ تھا کہ ہم کمنٹری کرتے کرتے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔ کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔ ہم ڈیفنس سے چلے تھے۔ وہاں سے دو راستے تھے۔ ان میں سے کسی سے بھی شاہراہِ فیصل پہنچ کر سیدھا راستہ پکڑ لیا جاتا مگر اللہ دتا کے عزائم ہی کچھ اور تھے۔ ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے سارا دھیان آگے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کافی آگے جا کر ہمیں گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اللہ دتا ہمیں نارتھ ناظم آباد لے جا رہا تھا۔

''ابے کیا گھر لے جارہا ہے؟'' ہم نے کہا ''ہمیں ماڈل کالونی جانا ہے۔''

''لے جاؤں گا سر جی'' اللہ دتا نے بے حد حلیمی سے کہا۔

''ہم نے سوچا، ممکن ہے اسے گھر سے کچھ لینا ہو مگر جب نارتھ ناظم آباد پیچھے رہ گیا اور بائیک ناک کی سیدھ میں دوڑتی رہی تو ہمیں تشویش ہوئی ''بھائی، کہاں کا ارادہ ہے؟'' ہم نے اسے پکارا۔

''ماڈل کالونی جانا ہے نا سر جی۔ بس وہیں پہنچیں گے آپ۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔''

ناگن چورنگی بھی گزر گئی۔ اللہ دتا اب بار بار دائیں جانب دیکھ رہا تھا۔ لگتا تھا، ماڈل کالونی کی تلاش میں ہے۔ یہ تو ہمیں بعد میں پتا چلا کہ اسے کسی خاص کوچ کی تلاش تھی۔ بہرکیف ہم نیو کراچی کی طرف بڑھتے گئے۔ دائیں جانب دیکھتے دیکھتے اچانک اللہ دتا نے ہمیں پلٹ کر دیکھا (آئینے کے ذریعے) اور بولا۔ ''ارے سر جی، آپ کہیں ملیر والی ماڈل کالونی تو نہیں کہہ رہے ہیں'' اس کے ساتھ ہی اس نے بائیک انتہائی داہنی جانب کرلی۔

''تو کوئی اور ماڈل کالونی بھی ہے؟''

''جی ہاں، نئی کراچی میں بھی ایک ماڈل کالونی ہے۔''

''بھائی ہمیں ملیر والی ماڈل کالونی بھیجنا ہے۔''

''کمال کرتے ہیں آپ'' اس نے بے حد خفا ہو کر کہا ''پہلے بتانا چاہیے تھا'' اتنی دیر میں کٹ آگیا تھا۔ اللہ دتا نے بائیک موڑ لی۔

ہمیں غصہ بہت آیا۔ وہ ہمیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ گاڑی موڑنے کا ارادہ اس نے بے نظیر کوچ کو دیکھ کر کیا تھا اور ہم جانتے تھے کہ نئی کراچی میں کوئی ماڈل کالونی نہیں ہے مگر ہم بائیک پر بیٹھ کر اس کی جھاڑ پھونک کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ یہ کام مؤخر کر دیا مگر کٹ ملنے میں دیر ہو چکی تھی۔ بے نظیر کوچ کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ یو پی موڑ پہنچ کر اللہ دتا مایوس ہو گیا۔ اس نے بائیک روکی۔

''کیا ہوا؟'' ہم نے پوچھا۔

''سر جی، انجن آواج کر رہا ہے۔''

''وہ تو کرے گا، کوئی انجن بے آواز بھی ہوتا ہے؟''

''میرا مطلب ہے سر جی، عجیب آواج آرہی ہے۔''

''اور اس وقت تک آتی رہے گی، جب تک دوسری بے نظیر کوچ نہیں آتی۔''

وہ کھسیا گیا مگر بائیک پر جھکا جانے کیا کیا کرتا رہا۔ ہم اس دوران میں اس کی جھاڑ پھونک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بے نظیر کوچ آئی اور ہماری روانگی کا سامان ہوا۔ ہم ساڑھے آٹھ بجے ماڈل کالونی پہنچے۔ میزبانوں کے سامنے شرمندگی الگ ہوئی اور بیگم بھی خفا ہوئیں۔

اللہ دتا کے اندر کا شاطر جرنیل جاگ اٹھا تھا!

ہمارے مشاہدہ ہے کہ بائیک چلانے والے حضرات اسے دائیں جانب موڑتے وقت بائیں پہلو پر اور بائیں جانب موڑتے وقت داہنے پہلو پر دباؤ ڈالتے ہیں۔ لیکن اللہ دتا کے پہلوؤں پر پوری طرح نظر رکھنے کے باوجود ہم اللہ دتا کے بارے میں کبھی یقین سے نہیں کہہ سکے کہ وہ کب بائیک کو کس طرف موڑے گا۔ اس اعتبار سے وہ ایک کامیاب جرنیل تھا جو قدم قدم پر ہمیں شکست فاش دیتا رہا۔ اس بات سے ہم اور اللہ دتا بے خبر تھے کہ بائیک میں انڈی کیٹرز بھی ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم تو قابلِ معافی ہیں کہ اگر ہم کسی کام کے ہوتے تو ڈرائیور کیوں رکھتے مگر اللہ دتا جو بائیک کا پہلا اور اب تک کا واحد پروفیشنل ڈرائیور ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے تھا۔ تو صاحبو، ہمیں بائیک میں انڈی کیٹرز کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب اس سلسلے میں ہمارا پہلا چالان ہوا۔ چالان حادثے کے چند منٹ بعد ہوا۔ حادثے کا سبب یہ تھا کہ دوسری طرف سے آنے والا موٹر سائیکل سوار جنرل اللہ دتا کی حکمت عملی کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ یہی بات ہم نے چالان کرنے والے سارجنٹ کو سمجھانے کی کوشش کی اور اپنی بے بسی کے متعلق بھی بتایا۔ ہاتھ سے اشارہ دینے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ہم دونوں ہاتھوں سے پچھلا کیریئر تھامے رہتے تھے۔ اللہ دتا کو ہینڈل سنبھالنا ہوتا تھا۔

''تو یہ انڈی کیٹرز کس لیے ہیں؟'' سارجنٹ نے جھنجھلا کر کہا۔

''اندی کیٹرز؟'' ہمارا منہ کھل گیا۔ اللہ دتا بھی حیران تھا۔

''سارجنٹ نے انڈی کیٹرز کے متعلق تفصیل سے بتایا اور چالان کا پرچہ ہمیں تھما دیا۔

''اب سرجی، میں انڈی کیٹر دوں گا تو گاڑی کا توازن بگڑے گا'' بعد میں اللہ دتا نے اعتراض کیا۔

''تو درائیور ہے۔ یہ تیرا دردِ سر ہے۔''

''اللہ دتا سر ہلا کر رہ گیا مگر پہلی فرصت میں اس نے وجہ دور کر کے اپنے دردِ سر سے پیچھا چھڑا لیا۔ پھر گڑھوں میں بائیک کا مسلسل طلوع و غروب اور اسپیڈ بریکر پر بائیک کے ہائی جمپ کے مظاہرے رنگ لانے لگے۔ بائیک میں مختلف النوع نقائص پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں بھی اللہ دتا نے ذہانت کا ثبوت دیا۔ موٹر سائیکل مکینک کے پاس ہوتی تو وہ بھی موٹر سائیکل کے پاس ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ وہ ڈرائیور کم مکینک زیادہ ہو گیا۔ ادھر بائیک کا بار بار خراب ہونا ہماری جیب پر اثر انداز ہونے لگا۔ سالارِ جنگ سے رجوع کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ بے چارے تو ہمیں تحفہ دے کر پچھتا رہے تھے اور ان کی وجہ سے ہم تحفے سے جان نہیں چھڑا سکتے تھے۔

ایک دن ہارن جواب دے گیا۔ ہم جانتے تھے کہ ہارن بڑے کام کی چیز ہے۔ کم از کم اللہ دتا اس کے بغیر کام نہیں چلا سکتا تھا۔ جیب کی حالت زار بیان کرتے ہوئے اس سے اس مسئلے پر بات کی تو وہ مسکرایا ''فکر نہ کریں سرجی۔ سلینسر نکال دوں گا اس کا۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' ہم نے پوچھا۔

''پوری گاڑی ہارن کا کام دے گی'' اس نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔''

''اب تو اس کا انجن ہی کیوں نہیں نکال دیتا'' ہم دہاڑے۔ لیکن اللہ دتا چہرے پر درگزر کا رنگ سجائے ہمیں دیکھ کر یوں مسکرا تا رہا جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی حماقت کو نظر انداز کر رہا ہو۔

خیر صاحب، سائلنسر نکال دیا گیا۔ اس کا پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ ہم ہر وقت تھر کنے کے عادی ہو گئے۔ دوسری طرف گھر میں شک وشبے اور بدگمانی کی فضا پیدا ہوئی اور ناچاقی کا سا سماں بندھ گیا۔ یہ عالم ہوا کہ ہم گھر پہنچتے تو بیگم شدت سے ہماری منتظر ہوتیں۔ چہرے پر سنجیدگی کے بادل ہوتے اور آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں۔ تیوریاں تو ان کی ہر وقت ہی چڑھی رہنے لگی تھیں۔ ''راستے میں کہاں رک گئے تھے؟'' وہ شک آمیز لہجے میں پوچھتیں۔

''کب؟'' ہم بجا طور پر حیران ہوتے۔

''ابھی آتے ہوئے۔''

"کہیں بھی نہیں، سیدھے گھر آ رہے ہیں ہم۔"

بیگم کی آنکھوں میں بے یقینی جھانکتی "آدھا گھنٹا پہلے ہم نے آپ کی بائیک کی آواز سنی تھی" وہ تنک کر کہتیں۔

ہم ذہن پر زور دے کر یاد کرتے اور بالآخر کہتے "کسی اور بائیک کی آواز ہو گی۔ آدھا گھنٹا پہلے تو ہم بندر روڈ پر تھے۔"

"آپ کی بائیک کی آواز تو میں کروڑوں میں پہچان لوں" اب انہیں غصہ آنے لگتا۔ ہم دیر تک انہیں یقین دلانے کی کوشش کرتے پھر ایسے ہی موقع پر ایک دن ان پر رقت طاری ہو گئی۔ "ہم جانتے ہیں۔ آپ ہم پر سوکن لانے والے ہیں" انہوں نے کہا۔ یہ نقطۂ آغاز تھا۔

اس کے بعد ہمارا فرصت کا تمام وقت کانفرنس روم میں گزرنے لگا۔ کئی بار تو راتیں بھی وہیں گزریں۔ ہم وہاں بیٹھ کر انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے کہ ان پر سوکن لانا کتنا دشوار ہے۔ اول تو ہمیں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ پہلی شادی کے بعد ہی دو کان کم پڑنے لگے ہیں، دوسری شادی تو ہمیں خود مجسم ایک بڑا سا کان بنا کر رکھ دے گی۔ پھر سات عدد برادرانِ نسبتی جو کارروائیاں کریں گے، ان کے نتیجے میں ہم سلسلہ جلیلیہ وقدریہ وامانتیہ کا نوابی سرمہ بن جائیں گے جو شادی شدہ مردوں کی آنکھیں کھولنے کے کام آیا کرے گا مگر عورت جب شک میں مبتلا ہو جائے تو کسی طرح مطمئن نہیں ہوتی چنانچہ کانفرنس روم سے بھاگ کر ہمیں تھنکنگ روم میں پناہ لینی پڑتی۔

ادھر بیرونی مصائب بھی بڑھتے جا رہے تھے۔ ہماری بائیک بتدریج دھکا اسٹارٹ ہو کر رہ گئی۔ اللہ دتا کک پر کک مارتا مگر بائیک ٹس سے مس نہ ہوتی۔ آخر ہم دھکا لگاتے نظر آتے۔ یہ واردات سگنل پر ہوتی تو تماشا بننے کا شدید احساس ہوتا اور ہم خفت کے مارے نیم جاں ہو کر رہ جاتے۔ اللہ دتا کو ہماری جیب عزیز ہو گئی تھی کیونکہ چھوٹی موٹی بیماریوں کے علاج کے نتیجے میں تو بائیک اسے اوور ٹائم سے محروم کرتی تھی۔ بڑی بیماری اس کی تنخواہ پر نظر انداز ہو سکتی تھی۔

"ہمیں سگنل پر دھکا لگانا سخت ناپسند ہے" ایک بار ہم نے چڑ کر کہا۔

"تو پہلے بتا دیتے سر جی۔ اللہ دتا پراسرار انداز میں مسکرایا۔ "اب میں یہ نوبت ہی نہیں آنے دوں گا۔"

یہ اسرار بھی ہم پر اسی روز کھل گیا۔ نپیر پیر کس کا سگنل بند ملا تو اللہ دتا نے بڑے اطمینان سے بائیک کو مسلسل بائیں جانب موڑتے ہوئے فٹ پاتھ پر چڑھا دیا۔ فٹ پاتھ پر خاصی بھیڑ تھی۔ اس میں مریض بھی تھے کیونکہ دل کا اسپتال قریب ہی واقع تھا۔

"ابے، یہ کیا کر رہا ہے...... ہائیں...... ہائیں" ہم نے احتجاج کیا۔

"آپ کو دھکا لگانے سے بچا رہا ہوں سر جی۔"

بائیک کا سائلنسر تھا ہی نہیں۔ فٹ پاتھ پر بھگدڑ مچ گئی۔ دو تین افراد فرطِ خوف سے بے ہوش بھی ہو گئے۔ وہ تمام کے تمام دل کے مریض تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ بائیک کی آواز سن کر تمام راہگیر یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ کوئی جیٹ طیارہ کرش لینڈنگ کر رہا ہے چنانچہ جس کے جس طرف سینگ سمائے، بھاگ کھڑا ہوا۔ کمزور دل کے لوگ دل تھام کر وہیں لیٹ گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ بے ہوش ہونے والوں کی رات کارڈیالوجی سینٹر کے آئی سی یو میں گزری۔ ستم بالائے ستم یہ کہ بائیک فٹ پاتھ پر چل رہی تھی اور ٹریفک کانسٹیبل سیٹی بجاتے ہوئے اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ "ابے رک...... روکتا کیوں نہیں؟"

"نہیں رکتی سر جی۔ اسی لیے تو فٹ پاتھ پر چڑھانی پڑی ہے" اللہ دتا بولا۔

پھر موقع دیکھ کر اللہ دتا نے بائیک کو سڑک پر اتارا اور دوبارہ سگنل کی طرف چلا۔ مگر اس نے بائیک کو سڑک دکھانے میں دیر کر دی تھی۔ بائیک کو خاصا پیچھے ہی سڑک سے اُتار لیتا تو سگنل گرین ملتا لیکن اب وہ ریڈ ہو چکا تھا۔ بائیک روکنی ہی پڑی۔ بڑی بے عزتی ہوئی۔ ڈانٹ پھٹکار الگ پڑی۔ چالان بھی ہوا اور ہم بھرے چوراہے پر بائیک کو دھکا لگانے پر مجبور ہو گئے۔

وہ دن ہی خراب تھا۔ دھکے کے نتیجے میں بائیک اسٹارٹ ہوئی لیکن اللہ دتا نے ہمیں بٹھانے کے لیے اسے روکا تو وہ پھر بند ہو گئی پھر دھکا...... اور ایسا اتنی بار ہوا کہ ہم دھکا لگاتے لگاتے عاجز آ گئے۔

''ایسا کیجیے سر جی......'' اللہ دتا نے خاصے غوروخوض کے بعد حکم لگایا'' ......اب کے اسٹارٹ ہو تو چلتی گاڑی پر بیٹھ جائیں، رکی تو پھر بند ہو جائے گی۔''

اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا لیکن بہت کوشش کے باوجود ہم بیٹھ نہیں پائے۔ آخر شریف آدمی تھے، سرکس کے بازی گر تو تھے نہیں۔

آخر اللہ دتا کیریئر کھولنے بیٹھ گیا۔ ''ابے...... یہ کیا کر رہا ہے؟'' ہم چلائے۔

''کیریئر نکال رہا ہوں تاکہ آپ کے لیے چلتی بائیک پر بیٹھنا آسان ہو جائے۔''

ہمیں اتنے زور کا غصہ آیا کہ گنگ ہو کر رہ گئے۔

''اس کا ایک اور بڑا فائدہ بھی ہے سر جی'' اللہ دتا نے مربیانہ انداز میں کہا۔ وہ ہمیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا ''خطرے کی صورت میں سڑک سے پاؤں ٹکا کر کھڑے ہو جائیں گے تو گاڑی نیچے سے نکل جائے گی۔ ہنڈا ففٹی کا یہی فائدہ ہے۔''

ہم کھول کر رہ گئے لیکن کیا سکتے تھے، جیب میں رقم ہوتی تو بائیک کو ہفتے بھر کے لیے مکینک کے سپرد کر آتے۔ بدقت تمام بائیک پر سوار ہوئے اور تمام راستے اپنی بے بسی پر کھولتے رہے۔ اگلے روز آفس جانا تھا۔ اللہ دتا کو ہدایت کی کہ ہمیں آفس پہنچا کر وہ کہیں بھی جا سکتا ہے شام پانچ بجے واپس لے جانے کے لیے آ جائے۔ اللہ دتا بھی خوش ہو گیا۔ اسے کچھ نئے روٹس دریافت کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

مگر اس روز ہمارے ساتھ عجیب ہوئی۔ اللہ دتا کی کم از کم ایک بات درست ثابت ہوگئی۔ نیپر پیر کس کے سگنل پر بائیک روکنی پڑی۔ شاید بائیک کا موڈ اچھا تھا اس لیے وہ بند نہیں ہوئی۔ ہم نے بہ آواز بلند خدا کا شکر ادا کیا اور پاؤں سڑک پر ٹکا کر بیٹھ گئے۔ اللہ دتا حالات حاضرہ پر تقریر کر رہا تھا۔ سگنل کھلا تو بائیک آگے بڑھ گئی تھی۔ پہلے تو ہماری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ ہم پہلی بار اپنی بائیک کو دور جاتا دیکھ رہے تھے۔ ورنہ تو اسکی پچھلی سیٹ پر ہمیشہ ہی ہوا کرتے تھے۔ ہم تو تصور میں بھی اپنی بائیک کو اپنے بغیر نہیں دیکھ سکے تھے۔

وہ منظر بڑا دلچسپ تھا۔ اللہ دتا جس طرح ہل رہا تھا، اس سے پتا چلتا تھا کہ حالات حاضرہ پر اس کا لیکچر اب بھی جاری ہے، جو وہ اپنی دانست میں بائیک کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے اکلوتے سامع کو سنا رہا ہے۔ ہمیں یقیناً اس پر ہنسی آتی لیکن اسی وقت ایک ساتھ دو واقعات ہوئے۔ پہلے تو ہماری بائیک ہمارے بغیر موڑ مڑ کر اوجھل ہوئی، پھر عقب سے کسی نے بہت زور سے ہارن بجایا۔ ہارن کی آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ ہم نے ویسے ہی پلٹ کر دیکھا جیسے بائیک پر بیٹھ کر دیکھتے تھے۔ وہ کار اس قدر نزدیک رکی تھی کہ اس کا بونٹ ہمارے جسم کو چھو رہا تھا۔ ہم نے دوبارہ سامنے دیکھا، سگنل ریڈ ہو چکا تھا۔ ہم نے پلٹ کر کار والے کو یہی بات سمجھائی۔ اسی وقت ہمارے دائیں اور بائیں دو موٹر سائیکلیں آ کر رکیں۔ ان پر چار لڑکے بیٹھے تھے جو صورت سے ہی شریر معلوم ہو رہے تھے۔ انہوں نے اچانک ہی ہماری پھبتی اڑانا شروع کر دی۔ پہلے تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ گفتگو ہمارے متعلق ہو رہی ہے۔

''مرغی کا ہے بے'' پہلے نے جھٹکے سے کہا

''انڈہ دے رہا ہے بے'' دوسرا بولا۔ اس پر ہمارے کان کھڑے ہوئے۔

''نہیں دے سکے گا بے'' تیسرا بولا۔

''کڑک ہے بے؟'' چوتھے نے سوال اٹھایا۔

''نہیں مرغا ہے بے'' پہلے نے جواب دیا۔

ہماری سمجھ میں جب آیا کہ ان کا ہدف ہم ہیں تو ہمارا وہ حال ہوا کہ کاٹو تو خون بھی نہ نکلے۔ اسی وقت کار والے نے جو یقیناً مہذب آدمی تھا، کھڑکی سے سر نکال کر کہا ''آپ اسی عالم میں ٹریفک کا حصہ ہیں جناب؟ کیا آگے بھی جائیں گے؟''

''انڈے دے کر ہی ہٹے گا بے'' لڑکوں نے پھر بدتمیزی شروع کر دی۔

''ہٹ ہی نہیں سکتا بے۔''

''انڈا جو نہیں دے سکتا ہے۔''

بات سمجھ میں آئی تو ہم بری طرح بوکھلا گئے۔قریب تھا کہ بانگ دینے لگتے یا کڑک مرغی کی آواز میں بولنے لگتے۔بس اس الجھن نے روک لیا کہ خود کو مرغا سمجھیں یا کڑک مرغی۔پھر بوکھلاہٹ کا یہ عالم تھا کہ جس پوزیشن میں بیٹھے تھے،اسی میں چلتے ہوئے سڑک پار کی۔اس دوران میں لڑکوں نے مزید آوازے کسے۔ہم فٹ پاتھ پر بھی ویسے ہی چل رہے تھے جیسے بائیک پر بیٹھے ہوں۔اس کا احساس فٹ پاتھ پر چلنے والوں کی ہنسی سن کر ہوا چنانچہ ہم تیزی سے الف ہو گئے اور تیز قدموں سے یوں چلنے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرف جا رہے تھے اس سے اور دور ہو گئے۔فٹ پاتھ کے سنسان حصے پر پہنچ کر ہم رکے۔جیب ٹٹولی تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔(وجود تلے موٹر سائیکل نکل جانے کا تجربہ تو پہلے ہو چکا تھا) پرس ہم گھر بھول آئے تھے۔جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔جی چاہا کہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ جائیں۔لیکن خیال آیا کہ چند منٹ پہلے چوراہے پر، بیچ سڑک پر ایک قابل دید منظر پیش کر چکے ہیں۔حساب لگایا تو پتا چلا کہ دفتر سے پانچ میل پر ہیں۔گھر دور تھا مگر خوش قسمتی سے ایک جاننے والے مل گئے۔ان کی بائیک پر گھر آئے۔اس سفر میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موٹر سائیکل اتنی اذیت ناک سواری ہرگز نہیں ہے جتنا اللہ دتا نے بنا رکھا ہے۔

پورا دن گھر پر گزرا۔پانچ بجے سے اللہ دتا کا انتظار شروع کر دیا۔یہ وقت تھا، جب اسے ہم نے آفس پہنچنے کے لیے کہا تھا لیکن کیونکہ وہ ہمیں آفس چھوڑ ہی نہیں سکا تھا اس لیے امید تھی کہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے گھر پہنچے گا۔ساڑھے چھ بجے موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ہم گھر سے نکل آئے۔موٹر سائیکل کی آواز بڑھتی جا رہی تھی مگر ابھی تک اس کی ایک جھلک بھی دکھائی نہیں دی تھی۔دس منٹ ہو گئے مگر بائیک نمودار نہیں ہوئی۔اس دوران میں پہلی بار ہمیں احساس ہوا کہ محلے کے لڑکے ہمیں عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں۔

کوئی پندرہ منٹ بعد اللہ دتا بمع موٹر سائیکل نمودار ہوا۔ہمیں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ نظر آئی ''میں چھ بجے تک آپ کا انتجار کرتا رہا ہوں سرجی'' جھنجلاہٹ اس کے لہجے میں بھی تھی ''اچھا بے وقوف بنایا آپ نے۔''

''ہم سے بوجھ، ہمارا کیا حال ہے'' ہم نے بھنا کر کہا۔

''دفتر پہنچ کر بھی آپ چپکے سے اتر گئے۔میں نے جو پلٹ کر دیکھا تک تو آپ غائب تھے'' اس نے ہماری سنی ان سنی کر کے اپنی شکایت جاری رکھی۔

''غائب کے بچے...... غائب تو ہم نیسر بیر کس بر ہی ہو گئے تھے'' ہم دہاڑے ''لیکن تجھے ہماری غیر موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوا۔ہمیں دفتر میں اتنا ضروری کام تھا...... اور آج تو نے دفتر پہنچنے ہی نہیں دیا ہمیں۔نا معقول کہیں کے۔''

اللہ دتا چند لمحوں کے لیے حیران نظر آیا لیکن پھر اس کی نگاہوں سے بے اعتباری جھلکنے لگی ''میں تو تمام راستے آپ سے باتیں کرتا رہا تھا'' اس نے جواز پیش کیا۔

''تو ہی تو باتیں کر رہا تھا یا ہماری آواز بھی سنی تھی؟''

''ہاں، یہ تو ہے'' اللہ دتا نے حیرت سے سر جھٹکا۔''یہی تو میں بھی سوچ رہا تھا کہ نہ ہوں ہے نہ ہاں ہے۔پھر میں نے سوچا، صاحب موڈ کے مالک ہیں۔''

''تجھے دفتر پہنچ کر بھی خیال نہیں آیا؟'' ہم نے ملامت کی۔

''ایک لمحے کو خیال آیا تھا۔بائیک ایک گڑھے میں اتری تھی۔میں نے سوچا، سرجی وہیں تو نہیں رہ گئے۔پھر میں نے سوچا، مٹی ڈالو گڑھے پر۔سرجی نے کوئی جادو دکھایا ہے'' وہ کہتے کہتے رکا۔''مگر ہوا کیا تھا سرجی؟''

ہم نے اسے اپنی بپتا سنائی اور پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔''بس...... کل ہر قیمت پر بائیک ٹھیک کرائیں گے۔اب ہم سے یہ توہین اور ذلت نہیں سہی جائے گی'' اسی لمحے ہمیں اپنے اردگرد کچھ لوگوں کی موجودگی کا احساس ہوا۔نظریں اٹھا کر دیکھا تو محلے کے چھ سات لڑکے کھڑے تھے۔

''جناب...... آپ سے ایک درخواست ہے'' ایک لڑکے نے مؤدبانہ لہجے میں بات شروع کی۔

''جی...... جی فرمایئے'' ہم نے لہجے میں ملائمت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''دیکھیں انکل، رمضان کا مہینہ ہے۔ آپ اس ماہ میں اس بلاک کے تمام رہنے والوں کے روزوں کا ثواب کما سکتے ہیں'' دوسرا بولا۔

''آپ بتایئے تو، یہ سعادت کیسے ملے گی ہمیں؟''

''جناب عالی، لوگوں کو سحری کے وقت اٹھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ روزے چھوٹ جاتے ہیں، بہت سوں کے۔ آپ چاہیں تو ایسا نہ ہو۔ آپ کو ہر فرد کے روزے کا ثواب ملے گا۔''

''آپ بتائیں تو، ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ ہمیں تو خوشی ہوگی یہ نیکی کر کے'' ہم نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔

''آپ صبح ساڑھے تین بجے سے ساڑھے چار بجے تک اپنی بائیک اسٹارٹ رکھیں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔''

ہمیں احساس ہوا کہ ہمارا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ پھر بھی ہم نے حلیمی سے کام لیا۔ لڑکوں سے الجھنا اچھا نہیں تھا'' ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے۔''

''ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ آپ کی بائیک اسٹارٹ رہی تو نہ صرف اس بلاک میں بلکہ برابر والے بلاک میں بھی کوئی سوتا نہیں رہ سکے گا۔ وہ لوگ بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں گے جنہیں روزے نہیں رکھنے ہوں۔ پھر وہ مجبوراً روزے رکھیں گے۔ ہر روز کم از کم چار ہزار روزوں کا ثواب ملے گا آپ کو۔ مہینے میں ایک لاکھ بیس ہزار روزے ہوئے۔ آپ کے اپنے تیس الگ...... سارے گناہ دھل جائیں گے آپ کے۔''

ہمیں اس زور کا غصہ آیا کہ گنگ ہو کر رہ گئے۔

''یونہی چلے گی موٹر سائیکل'' اللہ دتا نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا'' پٹرول پھنکتا ہے میاں، اور پٹرول مفت نہیں۔''

ہمیں اس پر بھی غصہ آنے لگا۔ کم بخت کو نہ مذاق سمجھنے کی اہلیت ملی تھی۔ نہ توہین کا احساس۔

''آپ فکر نہ کریں، ہم چندہ کر کے پٹرول ڈلوا دیں گے'' ایک لڑکا بولا۔

''اور انکل، نیکی کبھی رائگاں نہیں جاتی۔''

ہمارا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ ادھر اللہ دتا پٹرول کی پیشکش پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد اس نے کہا'' یہ تو خیر اچھی بات ہے کہ پٹرول کا خرچہ آپ دے دیں گے مگر بیٹری جو کمزور ہوگی ہماری۔''

''بیٹری ہم عید پر نئی ڈلوا دیں گے آپ کو۔''

''آپ کی بائیک بیٹری سے چلتی ہے؟'' ایک اور لڑکے نے حیرت ظاہر کی۔

''تو اور کیا سیل سے چلے گی؟''

''ہم سمجھے شاید......'' شریر لڑکے نے دانستہ جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''پٹرول بھی ہو گیا اور بیٹری بھی'' اللہ دتا مزید غور و فکر کر رہا تھا پھر اس نے ایک اور اعتراض جڑا'' اور انجن پر جو زور پڑے گا۔''

''اور آپ کو ثواب بھی تو ہو گا۔''

اس وقت ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ ہمیں غصے سے لرزتا دیکھ کر لڑکے کھسک لیے اور یہ ان کے حق میں بہتر ہوا۔

''سر جی، میری مانیں تو ان کی بات مان لیں'' اللہ دتا نے تجویز پیش کی۔

''کوڑھ مغز، وہ مذاق اڑا رہے تھے ہمارا'' ہم پھٹ پڑے۔

''ایک تو سر جی، آپ بدگمانی بہت کرتے ہیں۔''

''بس'' ہم نے دہاڑتے ہوئے کہا'' دیکھو اللہ دتا، کل شام یہ گاڑی ہر حال میں مکینک کے پاس جائے گی۔ کل ہمیں لانڈھی جانا ہے۔ واپسی پر نرسری والے مکینک کے پاس بائیک چھوڑ کر آئیں گے۔ اتنی ذلت، اتنی توہین برداشت سے باہر ہے۔''

''اللہ دتا خاموشی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ غالباً وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ذلت اور توہین کا کون سا پہلو نکلتا ہے اس میں مگر وہ یہ بات عمر بھر نہیں

سمجھ سکتا تھا۔

✿......✿......✿

مگر مکینک کے پاس پہنچنا ہماری بائیک کے نصیب میں نہیں تھا!

''ہم لانڈھی جارہے تھے کہ کارساز کی ڈھلوانی سڑک پر پرواز کے دوران میں اچانک اللہ دتا نے ایک نہایت اندوہ ناک خبر سنائی۔ بائیک کے بریک فیل ہوگئے ہیں سرجی'' اس کے لہجے میں بلا کا اطمینان اور سپردگی تھی۔

ہمارے تو دیوتا کوچ کر گئے یہ سن کر ''اب کیا ہوگا؟'' ہم نے گھبرا کر پوچھا۔

''دیکھیے......کوشش تو کر رہا ہوں'' اس نے جھلا کر کہا۔

بائیک کی رفتار بہت تیز تھی، آگے سگنل تھا۔ ہم شاہراہ فیصل اور کارساز روڈ کے نقطہ اتصال کے قریب پہنچ رہے تھے۔ ادھر سگنل کی سرخ روشنی منہ چڑا رہی تھی اور شاہراہ فیصل پر این ایل سی کا دیوپیکر ٹرالر عین اسی جگہ پہنچنے والا تھا جہاں بریک نہ لگنے کی صورت میں ہماری بائیک ہوتی۔ گویا ٹکراؤ ناگزیر تھا اور مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی کا تھا۔

''پیچھے دیکھیے صاحب، کوئی گاڑی تو نہیں ہے'' اللہ دتا نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''پیچھے سڑک بالکل صاف ہے'' ہم نے بھی کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔

''بس سرجی، کلمہ پڑھیے، کیریئر چھوڑیے اور سڑک پر پاؤں جما کر کھڑے ہو جایئے'' اس نے مشورہ دیا اور کاؤنٹ ڈاؤن شروع کر دیا ''ون......ٹو......''

ہمیں بھی سوجھی اور بروقت سوجھی۔ ہم نے اللہ دتا کے فیصلے میں ترمیم کر ڈالی۔ بائیک کی رفتار بہت زیادہ تھی۔ سڑک پر پاؤں ٹکانے میں بہت شدید جھٹکے کا خطرہ تھا......اور اس کے نتیجے میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ہم نے بیٹھے بیٹھے اوپر کی طرف چھلانگ لگائی۔ اللہ دتا نے سڑک پر پاؤں جمائے تھے۔ جھٹکے نے اسے منہ کے بل گرایا تھا پھر اوپر سے ہم بھی اس پر لینڈ کر گئے۔ وہ بلبلا کر چیخا۔ اسی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔ چند لمحوں کے لیے ہم غائب غلہ ہوگئے۔

اوسان درست ہوئے تو دیکھا کہ اللہ دتا دہاڑیں مار مار کر رو رہا ہے ''ابے، کیا زندہ بچنے کے غم میں رو رہا ہے؟'' ہم نے بوکھلا کر پوچھا۔

''صاحب......سرجی، جرا اپنی موٹر سائیکل تو دیکھیں'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

ہم نے شاہراہ فیصل پر نظر ڈالی۔ موٹر سائیکل تو وہاں تھی ہی نہیں۔ البتہ ہنڈا ففٹی کے اسپیئر پارٹس کا ڈھیر پڑا تھا۔ ''خاک ڈال اس پر'' ہم نے اللہ دتا کو دلاسا بلکہ پرسہ دینے کے انداز میں لپٹاتے ہوئے کہا ''اچھا ہی ہوا' جان چھوٹ گئی۔''

''سرجی، میری نوکری؟'' اس نے بین کرنے والے انداز میں کہا۔

اچانک ہمارے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا ''تو نے کہا تھا کہ ہنڈا ففٹی کے پارٹس پان کی دکان پر بھی مل جاتے ہیں؟'' ہم نے پوچھا۔

''جی ہاں سرجی!''

''بس تو ہم تجھے پان کی دکان کر دیتے ہیں۔ دکان اور اس کا منافع تیرا۔ پارٹس بکیں تو ہمارے۔''

وہ خوش ہوگیا۔

✿......✿......✿

وہ چھوٹا سا کیبن ہے۔اس کی پیشانی پر''اللہ دتا پان شاپ'' تحریر ہے۔آگے ایک بورڈ لگا ہے،جس پر لکھا ہے......'اللہ دتا پان شاپ پر ہنڈا ففٹی کے اسپیئر پارٹس بھی دستیاب ہیں۔' پانچ سال ہو گئے۔ہم ہفتے میں ایک بار وہاں جاتے ہیں اور ہر بار ایک ہی بات پوچھتے ہیں''اللہ دتے، بکی کوئی چیز؟''

''نہیں سر جی!''

دوست ہمیں بتاتے ہیں کہ ہنڈا ففٹی کے اسپیئر پارٹس کے حوالے نے پان کی دکان کو خوب چلایا ہے۔لوگ تفریح کی غرض سے آتے ہیں،پرزوں کے بارے میں پوچھتے ہیں اور پان کھا کر چلے جاتے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ پان کی دکان چل نہیں رہی،دوڑ رہی ہے۔اللہ دتا کے وارے نیارے ہو گئے ہیں۔اس نے گھر بھی بسا لیا ہے۔مسز اللہ رکھی اللہ دتا سے نعمت غیر مترقبہ کی طرح ملی ہیں۔لڑائی کے کمرے کو وسعت دے کر سرونٹ ہاؤس قرار دے دیا گیا ہے۔اللہ رکھی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ہماری بھی ترقی ہو گئی ہے۔ہم نے بس خرید لی اور اب اتنے بے بس نہیں رہے۔اپنی ذاتی بس میں سفر کرتے ہیں۔ماشاءاللہ بڑی محفوظ سواری ہے۔

اتنے برس ہو گئے مگر ہم نہ بائیک کو بھولے،نہ اس کی ڈالی ہوئی عادتوں نے ہمارا پیچھا چھوڑا۔کچھ تصورات تو ہمارے ذہن پر نقش ہو گئے ہیں۔ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ ہم دوستوں کے ساتھ چوک میں بیٹھے تھے۔اتنے میں سلیم آیا۔وہ موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر تھا۔اس نے بائیک رکوائی کہ ہم سے سلام دعا کرے مگر اس سے پہلے ہی ہم نے پوچھا''سلیم،موٹر سائیکل کب خریدی؟''

اس سوال پر دو منہ حیرت سے کھلے۔ایک سلیم کا تھا اور دوسرا آپ خود سمجھ لیں کہ ڈرائیور کا ہی ہو سکتا ہے۔ہم تو بیوقوفوں کی طرح منہ کھولنے کے عادی ہی نہیں ہیں۔

''میں نے تو نہیں خریدا؟''سلیم نے گھبرا کر کہا۔

ہم ایک قدم اور آگے بڑھ گئے''سالے نے دیا ہوگا؟''

اب وہی دو منہ زیادہ بڑے دائرے کی صورت میں کھل گئے۔وہ منہ زیادہ کھلا تھا جو بائیک کے مالک کا تھا(یہ ہمیں بعد میں پتا چلا)

مگر جمال بہت تیز تھا۔اس روز وہ اپنے دوست کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھا نظر آیا تو ہم نے وہی سوال کیا''جمال......کب خریدی موٹر سائیکل؟''

اس بار دو منہ نہیں کھلے۔صرف ایک کھلا۔اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صاحب کا۔جمال نے جھٹ کہا''ایک ہفتہ ہو گیا۔'

ریکارڈ درست رکھنے کے لیے اس بار ہمیں منہ کھولنا پڑ گیا۔

''ڈرائیور کو کیا تنخواہ دے رہے ہو؟''ہم نے اس بار نیا سوال اٹھایا۔اس پر ڈرائیور کا منہ مزید کھل گیا۔

''ابھی تو ٹرائی لے رہا ہوں''جمال نے سنجیدگی سے کہا پھر اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور ہم نے اپنے دوست کا تعارف کرایا،جسے ہم اپنے تجربے کی روشنی میں بائیک ڈرائیور سمجھ رہے تھے۔ہمارا تعارف جمال نے کچھ یوں کرایا''یار،یہ کم عمری کے شادی شدہ ہیں دراصل...... بائیک کے لیے ڈرائیور رکھ چکے ہیں ایک زمانے میں۔''

''ہم شرمندہ ہیں''ہم نے جمال کے دوست سے کہا۔

''تو شرمندہ ہی رہ''جمال نے کہا''ابے مخچو......''

''لینگویج پلیز!''ہم بولے''اگر یہ لفظ اتنا ہی ضروری ہے تو مخچو کہہ لو۔''

''میں یہ کہہ رہا ہوں بے ڈرکے بوڑم کہ جو بائیک چلا رہا ہو،وہ بائیک کا مالک ہوتا ہے،ڈرائیور نہیں اور مالک پیچھے نہیں بیٹھتے اپنی بائیک کے''جمال نے ہمیں ڈپٹا''تیرا معاملہ اور تھا۔پیدا کہاں اب ایسے پراگندہ طبع لوگ۔''

❁......❁......❁

کل موٹر سائیکل کی افادیت پر ایک سیمینار ہوا۔ ہمارے تجربات کی وجہ سے جمال کی سفارش پر ہمیں اس کی صدارت سونپی گئی۔ ہمیں اس تقریب میں بہت کوفت ہوئی۔ موٹر سائیکل کے قصیدے پڑھے جا رہے تھے۔ ہم اپنے طور پر کچھ لکھتے رہے۔ قصیدے سننے سے بچنے کے لیے۔

پھر آخر میں ہمارا نام پکارا گیا ''اب جناب شہریار سے درخواست ہے کہ خطبہ صدارت سے مستفید فرمائیں۔''

ہم نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور خطبہ صدارت کا آغاز کیا ''حضرات، یہ ہمارے لیے اعزاز ہے کہ ایک قدیم ترین سواری پر سیمینار کی صدارت کے لیے ہمارا انتخاب کیا گیا'' ہم نے رک کر حاضرین کا جائزہ لیا جو ہمارے اس تاریخی انکشاف پر دم بخود تھے۔ ''جی ہاں، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ موٹر سائیکل سب سے قدیم سواری ہے۔'' ہم نے بالاصرار کہا۔ ''ہم یہ بات ثابت بھی کر دیں گے۔

''مگر پہلے ہم یہ بتا دیں کہ موٹر سائیکل چلانا کچھ لوگوں کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اسے خود ہی چلاتے ہیں۔ ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہمیں اس کے لیے ڈرائیور رکھنا پڑا۔ ہم واحد آدمی ہیں، جس نے بائیک کے لیے ڈرائیور رکھا۔ دوسری طرف ہمارے ڈرائیور اللہ دتا کو دنیا کا واحد اور اکلوتا بائیک ڈرائیور ہونے کا اعزاز حاصل۔ ہمیں افسوس ہے کہ اللہ دتا کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو نہیں کیا گیا۔

''اپنے تجربات کی وجہ سے موٹر سائیکل کے بارے میں ہمارے نظریات شدید جارحیت کے حامل ہیں مگر اس سے تاریخی حقائق کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ قدیم ترین سواری ہے اور قدیم ترین رہے گی۔ بہر حال ہم موٹر سائیکل پالنے والے تمام حضرات سے معذرت خواہ ہیں۔ دل آزاری ہو جائے تو معاف کر دیجئے گا۔

''ہماری تحقیق کے مطابق جب شیطان نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور راندہ درگاہ ہو کر جنت سے فرار ہوا تو وہ موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ اس لحاظ سے موٹر سائیکل سب سے پہلی سواری ہوئی۔ اور حضرت، ہماری بات کا ثبوت یہ ہے کہ شیطان آج بھی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ کبھی آپ نے وہ چنگاری دیکھی ہے جو ڈوں کی آواز کے ساتھ آسمان پر ارتی چلی جاتی ہے۔ بزرگ بتاتے ہیں کہ وہ شیطان ہے اور اسے دیکھ کر فوراً لاحول پڑھنی چاہیے۔ آپ سچ فرمائیں، آپ کو وہ چنگاری موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ نہیں لگتی؟ ہمیں تو لگتی ہے۔ بلکہ ہمیں تو اس کے عقب میں باوردی فرشتوں کی وہ جیپیں بھی نظر آتی ہیں جن میں وہ آگ کے کوڑے ہاتھوں میں لیے پٹرولنگ کرتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے ایک باقاعدہ سازش کے تحت شیطان نے اپنی سواری کو انسانوں میں بھی بے حد مقبول بنا دیا ہے......''

اس کے آگے ہم کچھ نہ کہہ سکے۔ سیمینار ہڑبونگ کا شکار ہو گیا۔ ہم پر انڈے اور ٹماٹر برسنے لگے۔ بڑی مشکل سے ہم جان بچا کر بھاگے۔ اور اب ہم موٹر سائیکل کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتے!